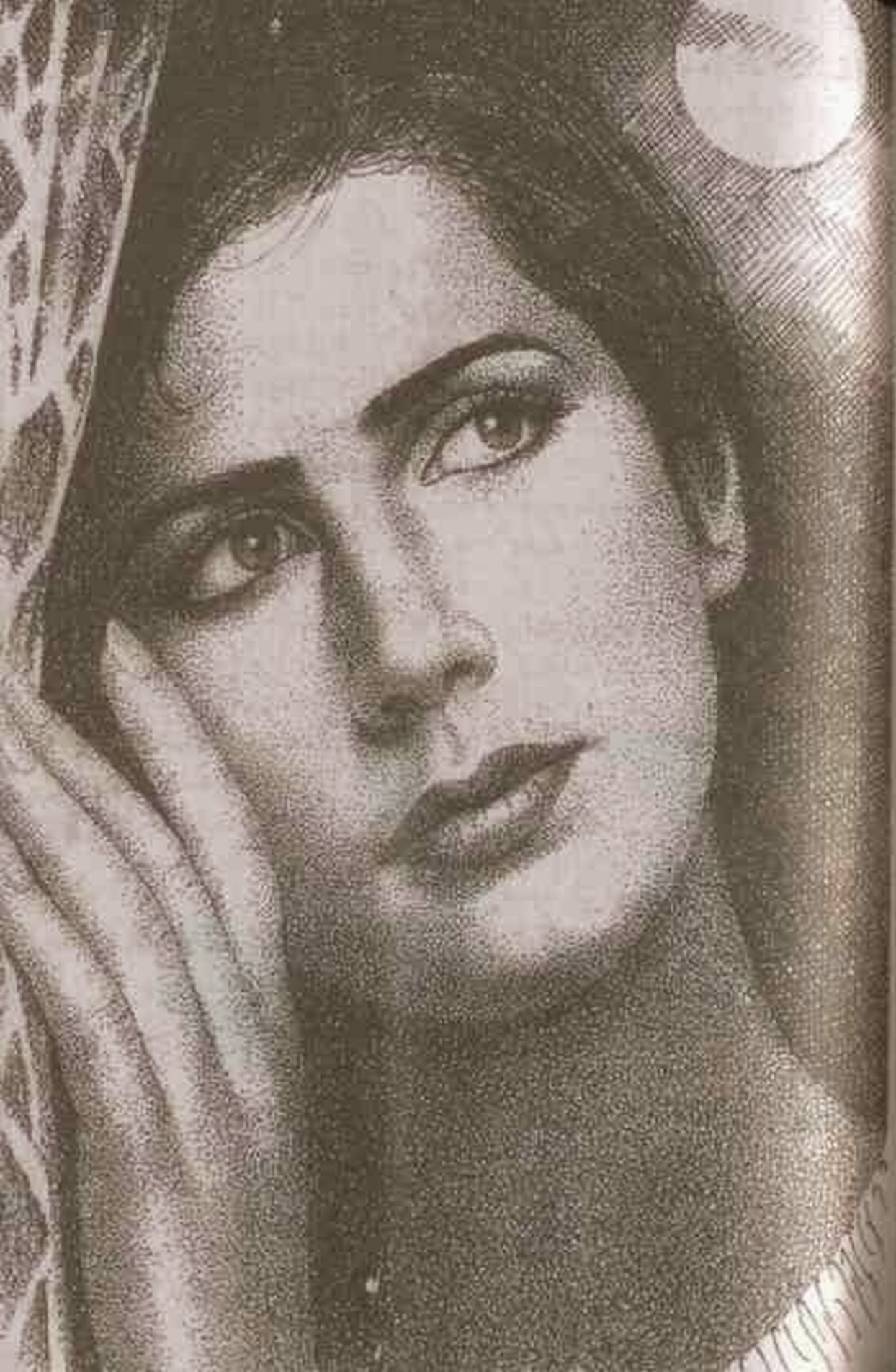

ناولٹ

اُم مریم

اگر وہ مہرباں ہوتا

وہ تذلیل کی انتہا کو چھو آئی اور سیال درانی ضبط و برداشت کی آخری حد پر جا کھڑا ہوا تھا۔ غ بستر پر لیٹ کر دھنسے میں ڈوبی آواز میں چھپی بدتمیزانہ حیا سے آگ میں نہلانے کو کافی تھی جبکہ افسرانہ اور جاگیردارانہ خون میں انگارے دوڑنے لگے۔ بھلا تھی کسی کی مجال کہ۔۔۔

معاشرے کی شدت پسندی سے وجود میں آنے والی جان لیوا کتھا کا پہلا حصہ

اصطبل کا دروازہ زوردار آواز سے کھلا اور وہ بدحواس بھاگتی ہوئی کھوکھر کے ساتھ کھڑے دیگر افراد کو نظر انداز کرتی کچھ فاصلے پر چاروں ٹانگیں زمین پر ٹیکے نڈھال انداز میں بیٹھے اپنے مشکی گھوڑے کے نزدیک جھک کر فکرمندانہ انداز میں اس کی پشت اور گردن سہلا کر اپنی تسلی کرنے میں مصروف اس احساس سے بے نیاز تھی کہ اس پر اٹھنے والی نگاہیں پھر سے پلٹنے سے لاچار ہو چکی ہیں۔ گہری بے بس اور مضطرب نظریں۔ کھوکھر کے علاوہ ڈاکٹر نے بھی کچھ کہا تھا مگر وہ تو جیسے ماحول سے کٹ گیا تھا۔

"سر ڈاکٹر صاحب آپ سے مخاطب ہیں۔"

کھوکھر کے بلند آواز سے متوجہ کرنے پر وہ خفیف سا چونکا اور نظروں کو موڑ کر ڈاکٹر صاحب کی جانب دیکھا تو بے اختیار اک سرد آہ اس کے ہونٹوں کی قید سے آزاد ہو کر رہ گئی تھی۔

"یہ کچھ انجکشن منگوا لیجیے گا۔ میں شام کو پھر چکر لگا لوں گا۔" ڈاکٹر نے دواؤں کا پرچہ اس کی جانب بڑھایا تو انزلہ نے اٹھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر تھام لیا تھا۔

"شکریہ ڈاکٹر صاحب! ویسے راجہ کی طبیعت مجھے اب بھی بہتر نہیں لگ رہی ہے۔ میں گھبرا رہی تھی۔ آپ کی بروقت آمد کا پھر سے شکریہ۔ یہ بتائیے زہر پھیلنے کا خدشہ تو نہیں ہے؟"

سیال درانی کی خاموش نظروں نے زاویہ بدل کر اس کے چہرے کو اپنے حصار میں لے لیا۔ اس کے دل سے ہوک سی اٹھی۔ کتنی بے نیاز تھی وہ اس کی ذات سے۔ اسے لگنے لگا کہ یہ بے رخی اک دن بالآخر اس کی جان لے لے گی۔

"یہ تو میرا فرض تھا چھوٹی بی بی! ایس پی صاحب کی جس وقت کال آئی، میں کلینک سے نکل چکا تھا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ یہاں سے نزدیک ہونے کے باعث پہنچنے میں آسانی رہی۔ راجو کو جس سانپ نے ڈسا وہ زہریلا تو تھا مگر موذی نہیں۔ صد شکر اللہ

نے کرم کیا۔ آپ کو اگر شکریہ ادا کرنا ہے تو اللہ کے ساتھ ایس پی صاحب کا ادا کیجیے۔"

ڈاکٹر صاحب شگفتہ گوئی سے کہتے، مسکرا کر رخصت ہو گئے۔ سیال درانی نے اس کے چہرے پر اپنے ذکر کے ساتھ اک ناگوار تاثر لہرا کر معدوم ہوتے دیکھا تو ہونٹوں کو باہم بھینچ لیا۔

"چاچا آپ اس کا خصوصی خیال رکھیے۔ موذی حشرات الارض سے بچاؤ کی دوا کا استعمال بڑھا دیں۔ اس کے علاوہ یہاں ہیٹ (Heat) کا انتظام بھی ہونا ضروری ہے۔ کیسے ہونا چاہیے آپ کے خیال میں؟" ٹی پنک گھریلو لباس میں اس کا بھیگا بھیگا سفید و گلابی حسین چہرہ دمک رہا تھا۔ جاذبیت و دل کشی کا سنگم جس کا قدرتی سنگھار اس کی معصومیت تھی۔ گیلے سیاہ بال کمر پر اک ترتیب سے گرتے تھے۔ وہ صحیح معنوں میں چلتی پھرتی قیامت تھی۔

کھوکھر سے گفتگو کرتی وہ اصطبل کے دروازے کی جانب بڑھ گئی تھی۔ اُسے اس خوبی سے نظر انداز کیا جیسے اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہو۔ سیال درانی کو لگ رہا تھا اس کے اٹھتے قدموں تلے زمین نہیں بلکہ اس کا دل تھا۔ سیال درانی کا خاص اور انمول دل جسے وہ اس بے اعتنائی سے روند گئی تھی۔

☆—☆—☆

"السلام علیکم! میں نے سوچا آپ کے داجو صاحب کی خیریت دریافت کرتا چلوں۔" وہ خود میں مگن لان میں آئی تھی۔ سورج کی کرنوں کی تپش آہستہ آہستہ بالکل معدوم ہوتی جا رہی تھی۔ فضا میں دھندلے غبار کے ساتھ خنکی کا احساس بھی گہرا ہو رہا تھا۔ وہ ڈوبتے سورج کے نارنجی گولے کو دیکھنے میں اتنی مگن تھی کہ کب کھلے گیٹ سے سیال اندر آ گیا اور اس کے ہمراہ چلنے لگا، اسے خبر نہیں ہو سکی۔

"تم ...؟" وہ اسے دیکھ کر سلگتے کوئلے کی مانند چٹخی۔ "کیوں آ جاتے ہو بار بار؟" اس کی پُرشوق نظریں انزلہ کا دماغ خراب کر کے رکھ دیتی تھیں۔ جھنجلاہٹ و طیش کے باعث وہ مٹھیاں بھینچے اسے گھور رہی تھی۔ سیال تحمل اور بردباری سے مسکرایا پھر کاندھے اچکا دیے۔

"تم جانتی تو ہو۔" لہجہ پُرشوق اور انداز پُرسکون تھا مگر انزلہ کو آگ ہی تو لگ گئی تھی۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔ سمجھے تم؟ اور سنو ... آئندہ یہاں مت آنا۔ کچھ شرم باقی ہے تو کر لو۔ میں تمہیں منہ نہیں لگاتی پھر بھی ہر روز چلے آ رہے ہوتے ہو۔"

اس کے دوستانہ تاثرات، صلح کو مسکان اور مصافحے کو بڑھا ہاتھ نظر انداز کیے وہ قہر بھرا انداز لیے جنگ آمیز لہجے میں برس پڑی تھی۔ ایس پی سیال درانی کا پہلے رنگ پھیکا پڑا پھر آنکھوں کی جوت بھی بجھ گئی۔ ہونٹ بھینچے وہ نگاہ کا زاویہ بدل کر لان میں درختوں پر اترتی سورج کی نارنجی کرنوں کی روشنی کو چھن کر گھاس پر زرد چھینٹوں کی مانند گرتا دیکھتا رہا۔

"تم مجھے اس سے بھی زیادہ ڈی گریڈ کرنے کا حق رکھتی ہو انزلہ۔ میں مائنڈ کروں گا نہ بددل ہوں گا اس وقت تک جب تک تم مجھے معاف نہیں کر دیتیں اور جب تک کہ تم مجھے قبول نہیں کر لیتیں۔" وہ بولا تو اس کا لہجہ مدھم مگر ٹھہرا ہوا تھا، پُرعزم تھا، لیکن انزلہ پر جھنجلاہٹ سوار ہونے لگی۔

"احمقوں کی جنت سے نکل آؤ ایس پی سیال درانی۔ قیامت تک بھی میرا ارادہ نہیں آپ کی اُمید پر پورا اترنے کا۔" بے رخی، بے اعتنائی اب مستقل اس کے لہجے و انداز کا حصہ تھی۔ اپنی بات مکمل کر کے وہ اک جھٹکے سے پلٹ جانا چاہتی تھی کہ سیال درانی نے ہاتھ بڑھا کر یکدم اس کی کلائی پر گرفت مضبوط کر لی۔ انزلہ ششدر رہ گئی اور جیسے اپنے آپ کو بھڑکتے الاؤ میں محسوس کیا۔ سیال درانی کی یہ جسارت اس کی توقع سے کہیں بڑھ کر تھی۔

"میرا ہاتھ چھوڑیے ایس پی صاحب!" اس کی پھنکارتی آواز میں صرف نفرت نہیں تھی اور بھی بہت سے احساس پوشیدہ تھے۔ دھوکس، تلخی اور برہمی۔

"انزلہ بیگم ہم اپنی بات اور قول کی خاطر جان پر کھیل جانے والے لوگ ہیں۔ چاہوں تو اپنے اختیارات استعمال کر کے تمہیں اسی وقت اپنے ساتھ لے جاؤں مگر ..."

"تو آ ہی گئے تم اپنی اصلیت پر؟" وہ اس کی بات کاٹ کر زہر خند سے ہنسی، پھر طنزیہ نظروں کو اس پر جمایا۔ "بہت خوب ایس پی صاحب! بھلا کوئی درندہ اپنے آپ کو انسانی کھال میں آخر کب تک چھپا کے رکھ سکتا ہے۔" اس کا لہجہ کاٹ دار طنز اور گہرا تمسخر سموئے سیال درانی کے دل کو دو لخت کر گیا۔ انزلہ کے ہاتھ پر لاشعوری طور پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑی۔ انزلہ نے جنگ زدہ انداز میں اپنا ہاتھ جھٹکے سے کھینچا۔

"ایک بات مجھے بھی آپ سے کہنا تھی، میرا ابو یا آپ کی آفیسری کے ماتحت بھی ضرور آتا ہوگا۔ گاؤں اور حویلی میں تو آپ کے اندھے قوانین رائج ہیں ہی مگر بہتر ہوگا مجھے آپ اس محکومی کا حصہ سمجھنا چھوڑ دیں۔ دل صاف کرنے کی بات بھی دوبارہ مت کیجیے گا۔ بی کوز میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔" کیسا لہجہ تھا اس کا، بے لحاظ، ہر آن بلند ہوتا ہوا۔ سیال کٹ کر رہ گیا۔

"اتنی کٹھور نہ بنو انزلہ پلیز!" وہ جتنا ملتجی اور بے بس تھا، انزلہ کی نظروں میں اسی قدر سرد پن تھا۔

"کیا کہا؟ کٹھور نہ بنوں؟" وہ پھنکاری۔ "اگر

کبھی فرصت ملے تو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچیے گا ضرور مسٹر سیال درانی کہ کٹھور پن کے مظاہرہ اور وحشیانہ سلوک میں اپنا ثانی نہ رکھنے والا کون ہے۔ آپ یا پھر میں؟ شاید کبھی ضمیر کی عدالت آپ کو مجرم ثابت کردے۔" بات مکمل کرنے سے پہلے اس کا گلا بھرا گیا تھا اور یقیناً اپنی یہ کمزوری وہ اس پر عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی، تبھی منہ پر ہاتھ رکھے سسکیاں دباتی وہ پھر سے اندرونی حصے کی جانب بھاگ گئی۔ سیال درانی کے چہرے و آنکھوں میں ہی نہیں پورے وجود پر اضمحلال اور اضطراب چھا گیا تھا۔ کتنی دیر وہ سر جھکائے وہاں کھڑا رہا تھا کہ کاندھے پر مضبوط ہاتھ کا لمس پا کر چونکتا ہوا پلٹا تو روبرو آفاق شیرازی کو دیکھ کر گڑبڑاتے انداز میں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! آؤ بیٹے، بیٹھو۔" انہوں نے اندرونی حصے کی جانب پیش قدمی کی وہ ہچکچا کر انہیں مخاطب کر گیا۔

"پھر سہی انکل! اس وقت میں ذرا جلدی میں ہوں۔" وہ صاف ان سے نگاہیں چرا رہا تھا۔ آفاق شیرازی نے اس کا گریز اور ہیبت محسوس کی تھی، پھر آگے بڑھ کر نرمی و رسان کے ساتھ اس کا شانہ تھپکا تھا۔

"انزلہ کے رویے کی میں آپ سے معذرت کرتا ہوں بیٹے۔ ابھی وہ اس تکلیف دہ وقت کے حصار سے آزاد نہیں ہو پائی کہ میں اسے سمجھانے کا فریضہ انجام دے سکوں۔ کیونکہ اس سے مثبت کی بجائے منفی اثرات مرتب ہونے کا خدشہ شدید ہو سکتا ہے، لیکن بے فکر رہو، اللہ بہتر کرے گا۔"

سیال درانی جو حیرت و غیر یقینی کی کیفیت میں انہیں دیکھ رہا تھا، بے اختیاری کے عالم میں آگے بڑھا اور ان کا ہاتھ تھام کر بے حد عقیدت بھرے انداز میں ہونٹوں سے لگا لیا تھا۔ بھلا کہاں تھی اسے ان سے ایسی بات کی توقع۔ اس کے اندر تو جیسے نئے سرے سے توانائیاں بحال ہو گئی تھیں۔

"تھینک یو انکل! تھینک یو ویری مچ۔ میں آپ کی شفقت اور احسان ہمیشہ یاد رکھوں گا۔" شدت جذب سے اس کا گلا بھرا گیا تھا۔ آفاق شیرازی نے مسکرا کر اسے دیکھا، پھر اسی نرمی سے اس کا ہاتھ تھپک کر گویا اپنے ساتھ کا یقین سونپا تھا۔

"اجازت دیجیے۔ پھر حاضر ہوں گا ان شاء اللہ!"

وہ مشکور نظروں سے انہیں دیکھتا ہوا بولا تو آفاق شیرازی نے متبسم نظروں سے اس کی عاجزی ملاحظہ کی پھر جانے کس جذبے کے تحت آگے بڑھ کر اس کا بھرپور توانا اور شان دار وجود بانہوں میں بھر کر سینے سے لگا لیا تھا۔ اپنے کمرے کی کھڑکی سے اس منظر کو دیکھتی انزلہ کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں، اگلے ہی لمحے اس نے شدید طیش کے عالم میں زور سے کھڑکی بند کر دی تھی۔

☆—☆—☆

"انزلہ بیٹے، یہاں آئیں پپا کو بات کرنی ہے آپ سے۔" وہ صوفے پر بیٹھی ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ رکھے ساکن نظروں سے سامنے دیوار پر آویزاں پینٹنگ کو دیکھ رہی تھی۔ آفاق شیرازی کی بھاری مگر پُرشفقت آواز پر نگاہ پھیر کر بے تاثر نظروں سے انہیں دیکھا جو بائی فوکل گلاسز لگائے کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے۔

"بولیں پپا میں سن رہی ہوں۔" اس نے نروٹھے پن سے کہا تو گلاسز اتارتے آفاق شیرازی نے اس کے خفگی چھلکاتے پھولے منہ کو دیکھا اور کچھ نتیجہ اخذ کر کے مسکرائے۔

"میری بیٹی خفا ہے مجھ سے؟"

"اس تصویر کو دیکھیں پپا!" ان کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس نے ہاتھ سے دیوار پر آویزاں پینٹنگ کی سمت اشارہ کیا جہاں اک بچی بال کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ دوسری تصویر میں اک چھ سالہ بچی لہنگا سنبھالنے کی کوشش میں ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔ مگر من پسند انوکھے ملبوس کی معصوم خوشی نے اس کا چہرہ بھی گلنار کر رکھا تھا۔ تیسری تصویر میں لڑکی تتلیاں پکڑ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ کی پوروں پر تتلی کے پر رنگ چھوڑ گئے تھے۔ وہ بڑی حسرت سے اڑتی تتلی کو دیکھ رہی تھی۔ یہ سب تصویریں ایک مہینے کے دوران وہ اپنی پسند سے خرید کر یہاں لگا چکی تھی۔ آفاق شیرازی نے تو کبھی پہلے بھی اس کی کوئی خواہش رد نہیں کی تھی مگر اب تو صحیح معنوں میں وہ اسے ہاتھوں کا چھالا بنائے ہوئے تھے۔

"پپا ان سب تصویروں میں مجھے اپنا آپ نظر آتا ہے۔ میرا بچپن — جو سوائے ایک ماں کی محرومی کے ہر قسم کی تشنگی سے پاک تھا۔ پھر—"

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور ہونٹ بھینچ کر جیسے اندر ہونے والی توڑ پھوڑ پر قابو پانے کی کوشش میں مصروف ہو گئی۔ آنکھوں میں اترتی نمی اور چہرے کی سرخی اس کے شدید کرب اور بے چینی کی غماز تھی۔ آفاق شیرازی بے چین ہو کر اس کے قریب چلے آئے اور اس کے لرزتے نازک سراپے کو اپنی پُرشفقت اور محبت بھری آغوش میں سمیٹ لیا۔ وہ گھٹ کر روتی ہنوز اسی تصویر کو دیکھ رہی تھی۔

سفید یونیفارم پہنے لڑکی گھٹنوں کے بل گری ہوئی تھی۔ پاس ہی ایک پتھر تھا جس سے وہ ٹھوکر کھا کر گری تھی۔ اس کا ایک ہاتھ زمین پر تھا جس میں خراش آ چکی تھی اور دوسرا ہاتھ مڑے ہوئے پیر پر تھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی، جبراً ہونٹوں پر مسکراہٹ تکلیف اور درد کے باوجود۔

"پپا میں نے بھی ایسے ہی اس تکلیف کو مسکرا کر برداشت کر لیا تھا۔ میں ہاری تھی نہ ہارنا چاہتی تھی۔ میں آپ کی بیٹی ہوں کیسے ہار سکتی تھی، مگر پپا — کل شام مجھے لگا میں ہار جاؤں گی، بلکہ ہار چکی ہوں۔ تاریخ گواہ ہے نا پپا کہ بڑے بڑے فاتحوں کو شکست ان کے اپنوں کی دشمن سے ہونے والی ملی بھگت نے دی تھی۔"

آفاق شیرازی کے دل پر جیسے کسی نے گھونسہ دے مارا تھا۔ وہ تڑپ اٹھے۔ انزلہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ تسلسل سے آنسو برس رہے تھے۔ وہ سخت بے بس ہو گئے۔ انہیں قطعی سمجھ نہیں آ سکی وہ اپنی پوزیشن کو کس طرح سے کلیئر کریں۔ اس کی باتوں سے وہ یہ نتیجہ بہرحال اخذ کر چکے تھے کہ وہ کل شام سیال درانی کے لیے ان کا التفات ملاحظہ کر چکی ہے۔

"آئی ایم سوری بیٹے، میری وجہ سے آپ ہرٹ ہوئیں۔ حالانکہ میرا مقصد ہرگز بھی آپ کو تکلیف دینا نہیں تھا۔" وہ بے چین بے کلی سے وضاحت دینے لگے۔

"آپ اسے یہاں آنے سے سختی سے منع کریں۔ آپ کو پتا ہے میں اس کی صورت تک نہیں دیکھنا چاہتی۔" باپ کی جانب سے تسلی و مان پا کر وہ پھر سے چٹانی لہجے میں گویا تھی۔ آفاق شیرازی نے نرمی و سہولت کے ساتھ اس کے گال کی نمی صاف کی پھر اس کا سر سہلایا تھا۔

"ڈونٹ وری، جو آپ چاہتی ہو وہی ہوگا۔"

"پپا میں اس کی آمریت سے ہمیشہ کی آزادی چاہتی ہوں۔ آپ خلع کا کیس کر دیں اس پر۔" اس نئے مطالبے نے آفاق شیرازی کو سرتاپا ہلا کے رکھ دیا۔ وہ شاکڈ رہ گئے تھے۔

"آپ چاہتے ہیں ناں پپا میں پھر سے زندگی

کی طرف لوٹ آؤں؟ یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے۔" وہ بے حد بے بسی سے کہہ رہی تھی۔ آفاق شیرازی جیسے ساکن بیٹھے رہے، یہاں تک کہ انزلہ نے انہیں باقاعدہ ہاتھ ہلا کر متوجہ کیا تھا۔

"آپ کیا سوچ رہے ہیں پپا؟" اور وہ جیسے پاتال سے ابھر کر ہوش میں آگئے۔

"آپ نے میری بات کو سنا میں کیا کہہ رہی ہوں؟" انزلہ کچھ خفا نظر آرہی تھی۔ انہوں نے سرد آہ بھری۔

"ہاں بیٹے۔"

"پھر کیا فیصلہ کیا آپ نے؟" اس پر عجلت سوار تھی۔

"جو میری بیٹی چاہے گی وہی ہوگا۔ ڈونٹ وری۔" انہوں نے پیار سے اس کا سر تھپکا تو وہ یکدم جیسے ہلکی پھلکی ہو کر ان سے لپٹ گئی تھی۔

"تھینک یو پپا! یو نو! اگر آپ انکار کر دیتے تو رشتوں سے میرا یقین ہمیشہ کے لیے اٹھ جاتا۔"

"اتنا پتی ہو کر نہیں سوچتے بیٹے۔" انہوں نے کراہ کر جیسے سمجھایا تھا۔ وہ تلخ انداز میں مسکرا دی۔

"انسان وہی سوچتا ہے جو سوچنے سمجھنے پر اسے مجبور کیا جاتا ہے۔ اس پوری دنیا میں صرف آپ ہیں جن پر بھروسا کر سکتی ہوں۔ صرف آپ نے مجھے آزمایا نہ میرے مان کو بکھیرا ہے۔ میں چاہوں بھی تو کسی اور کے لیے گنجائش نہیں رکھ سکتی۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے انداز میں دلگیری کا احساس اتر آیا تھا۔ آفاق شیرازی نے کچھ کہے بغیر محض اس کا ہاتھ تھپکا تھا۔ اس نے گہرا سانس بھرا اور پلٹ کر کمرے سے نکل آئی۔ اس کا رخ پورچ کی جانب تھا۔ پپا کا بہت دنوں سے اصرار تھا کہ وہ اپنی تعلیم کے ادھورے سلسلے کو پھر سے شروع کر دے مگر وہ انکار کیے جاتی تھی۔ پپا نے آج اسے اک ایسے بوجھ سے نجات دلائی تھی کہ وہ ان کی اس خواہش کی تکمیل کا عہد کر چکی تھی۔ ارادہ مارکیٹ تک چکر لگانے اور کورس کی کتابوں کے ساتھ کالج پرنسپل سے ملنے کا بھی تھا۔ اس کے لیے ظاہر ہے اسے عائزہ کی مدد کی بھی ضرورت تھی، مگر لان اور پورچ کی سیڑھیوں پر اس کا غیر متوقع ٹکراؤ ایس پی سیال درانی سے ہو گیا۔ فل یونیفارم میں ملبوس اپنے اونچے لمبے وجیہہ سراپے کے ساتھ شام کے اس سے وہ بلاشبہ ماحول کی خوبصورتی میں بے پناہ اضافے کا سبب بن رہا تھا مگر انزلہ کی پیشانی پر اسے روبرو پاتے ہی ناگواری اور برہمی کا رنگ شکنوں کی صورت اتر آیا۔

"ہاؤ آر یو میم!" اس کے مقابل رک کر وہ پُرشوق نظروں سے اسے دیکھ کر متبسم ہوا اور ہاتھ میں پکڑی اپنی کیپ اس کے سر پر رکھ دی، گو کہ اس کی یہ جسارت ہرگز بھی نئی نہیں تھی اس کے باوجود وہ تم و غصے کی زیادتی سے کانپ گئی تھی۔

"اپنے قدموں کو یہیں سے واپس موڑ لیں محترم! ورنہ میں ملازم کو بلوا کر دھکے دلوا کے یہاں سے نکلواؤں گی تو آپ کو یقیناً اچھا نہیں لگے گا۔"

اس کے لہجے میں بلا کی سرد مہری اور بے رخی و نفرت تھی۔ آنکھوں میں اتنی خشونت تھی کہ وہ لمحہ کھڑا رہ گیا۔ اگر اس کی بدتمیزانہ انداز میں سر سے اتار کر واپس اس کی جانب اچھالی گئی کیپ کو وہ بروقت نہ سنبھال لیتا تو یقیناً اب تک اس کے قدموں میں پڑی ہوتی۔

"میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو؟" وہ زور سے غرائی۔ سیال درانی نے بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ اک نظر اسے دیکھا۔ چہرے پر پتھریلا جمود اور لہجہ بالکل برف تھا۔ آنکھوں میں بے زاری بھری تھی۔

انتہائے بے رخی کے قرینے میں

کاش ہم بھی آپ پہ گئے ہوتے

اس ہتک اور صدمے کی کیفیت سے نکلا تو اس کے برفیلے تغافل سے ٹوٹتے لہجے میں آہستگی سے کہہ گیا۔ جواباً انزلہ کے چہرے پر تمسخر پھیل گیا تھا۔

"شکوہ کرنے کا بھی حق محفوظ نہیں رکھتے تم۔ تمہی سے سیکھے ہیں یہ اطوار۔ یہ باری ہے جو پلٹ کر مجھ پر آگئی ہے۔" وہ اپنے مخصوص دھیمے پر تکلف سنجیدہ مگر بے تاثر اور بیگانے لہجے میں جتلا کر کہہ رہی تھی۔

اپنے لہجے پہ غور کرکے بتا
لفظ کتنے ہیں تیر کتنے ہیں

سیال پر جیسے کوئی اثر نہیں ہوا۔ بہت دھیرے سے اس کی آنکھوں میں اپنی نظریں گاڑ کر بولا۔ ان آنکھوں میں بہت کچھ تھا۔ خواہش، حسرت، شوق اور بے بسی۔

"میرے پاس تمہارے فضول سوالوں کے جواب نہیں ہیں۔" انزلہ نے قہر بار انداز میں کہتے نفرت سے ہونٹ سکوڑے تو سیال اس گریز پائی پر دھیرے سے ہنس دیا۔

"سیدھی طرح کیوں نہیں کہتی ہو کہ ہار گئی ہو۔" وہ جیسے جان بوجھ کر اسے طیش دلانے لگا۔ مقصد ظاہر ہے اسے زیادہ دیر تک نگاہ کے سامنے رکھنا تھا۔ کتنا بے بس ہو گیا تھا وہ اس دل کے ہاتھوں۔ کبھی سوچا بھی نہ تھا ایسی بے سروپا حرکتوں کے بارے میں۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ آخری بار یہاں قدم رکھ رہے ہو پھر اس حسرت کو دل میں لے کر پھرو گے۔ کر لو جو بکواس کرنی ہے۔"

وہ تذلیل کی انتہا کو چھو آئی اور سیال درانی ضبط و برداشت کی آخری حد پر جا کھڑا ہوا تھا۔ تلخ بستہ طنز و تمسخر میں ڈوبی آواز میں چھپی بدتمیزانہ تحقیر اسے آگ میں نہلانے کو کافی تھی، جبھی افسرانہ اور جاگیردارانہ خون میں انگارے دوڑنے لگے۔ بھلا تھی کسی کی مجال کہ سیال درانی کے سامنے دم مار سکے اور وہ بالشت بھر کی لڑکی اسے مٹھیوں میں دو کوڑی کا کر کے رکھ دیتی تھی۔ وہ دانتوں پر دانت جمائے اسے اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک اس کی گاڑی دھول اڑاتی سڑک پر جا کر موڑ نہیں مڑ گئی۔

☆—☆—☆

وجہ بندی دیکھی جائے تو میرا یار اول ہے سب سے
روٹھ جانے میں، دل جلانے میں، بھول جانے میں

اس نے سیل فون اٹھایا تو عائزہ کا میسج تھا۔ اس کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ دوڑ گئی، عین اسی پل عائزہ کا اگلا ٹیکسٹ موصول ہوا تھا۔

"میری برتھ ڈے یاد نہ رکھنے والوں تمہیں ٹھنڈ میں چائے نہ ملے، تمہاری رضائی بارش میں گیلی ہو جائے، تمہارا ڈرائی فروٹ چیل کوے کھا جائیں اور اللہ کرے تمہارے سارے گرم کپڑے جل کر خاک ہو جائیں اور تم ٹھٹھرتے پھرو۔"

وہ کسی طرح بھی اپنی ہنسی کو کنٹرول نہیں کر سکی تھی، جبھی اسی وقت اس کا نمبر ڈائل کر لیا۔

"اف بدتمیز لڑکی اک ساتھ اتنی بددعائیں، کچھ تو خوف خدا کرو۔"

اس نے چھوٹتے ہی اس کی کھنچائی کا آغاز کیا۔ دوسری جانب سے عائزہ کی دھنائی اس کی کھنکتی شوخ ہنسی سے عیاں تھی۔

"یہ بددعائیں ضروری تھیں مادام۔ میں قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں ہمیشہ کی طرح تم اس وقت بھی میرا برتھ ڈے بھولی بیٹھی ہو گی۔" اس کے غصیلے انداز پر انزلہ واقعی شرمندہ ہو گئی تھی۔

"سوری یار، لیکن اچھا کیا، یاد دلا دیا۔"

"سوری کر لینے سے بات نہیں بنے گی ڈیئر۔ فوراً سے پیشتر یہاں حاضری لگواؤ۔" جواب میں

عائزہ کا انداز شاہانہ تھا۔ انزلہ گڑبڑا سی گئی۔

"اتنی جلدی؟" "ابھی تو صرف نو بجے ہیں یار۔"

"تو کیا ہوا مطلب پرست لڑکی۔ اپنے کام کے علاوہ کسی کی خوشی کی خاطر بھی آیا جا سکتا ہے۔ پھر تمہیں میرے لیے گفٹ بھی تو خریدنا ہوگا۔ خبردار جو خالی ہاتھ آئیں۔" اگلے لمحے وہ چولا بدل کر اسے دھمکا رہی تھی۔

"میں خالی ہاتھ ہی آؤں گی، جو کرنا ہوگا کر لینا۔" انزلہ نے جواباً ہٹ دھرمی دکھائی تو عائزہ باقاعدہ منت سماجت پر اتر آئی تھی۔

"دیکھ یار ایسا غضب نہ کرنا، تو ٹھہری اپنے والد کی لاڈلی امیر ترین بیٹی۔ اک میں ہوں، بیچاری اتنے بہن بھائیوں میں گھری ہوں۔ محبت کے ساتھ ساتھ یہ فولو لوازمات بھی تقسیم ہو کر اتنے ملتے ہیں کہ بامشکل گزارا ہوتا ہے۔ کالج میں میں نے تجھے تیری امارت دیکھ کر ہی پھانسا تھا تاکہ بوقتِ ضرورت تجھ سے فائدہ حاصل کر سکوں، ورنہ تیری یہ بوتھی کی خوبصورتی میرے کس کام آتی تھی۔ کیا سمجھی؟ اب سن۔ تگڑا سا گفٹ لے کر آنا، ورنہ میں تیری ٹانگیں بھی توڑ سکتی ہوں۔" لجاجت سے کہتی وہ پھر اپنے مخصوص آتش فشانی موڈ میں آ گئی تھی۔ جبکہ انزلہ کا ہنستے ہنستے برا حال ہونے لگا تھا۔

"ندیدی ہی رہنا ہمیشہ۔ بے فکر رہو، لیپ ٹاپ لا رہی ہوں تمہارے لیے۔" اور دوسری جانب عائزہ نہال ہو کر اسے دعاؤں سے نواز رہی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے سیل آف کیا تھا پھر تیار ہونے کے ارادے سے وارڈروب کی جانب بڑھ گئی۔

☆—☆—☆

اپنے دھیان میں وہ مارکیٹ سے نکل کر اپنی گاڑی کی جانب آتے وہ یکدم ٹھٹک کر رک گئی تھی۔ سیال درانی اپنی پولیس جیپ میں گویا اس کا راستہ روکے کھڑا تھا۔

"گاڑی میں بیٹھو انزلہ۔" لہجہ جو کچھ عرصے سے عاجزی انکساری اور نرمی و رسان سمیٹ لایا تھا پھر سے سنجیدگی و خوفناکی کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ انزلہ خائف تو کیا ہوتی، البتہ طنزیہ نظروں سے ضرور اسے دیکھنے لگی تھی۔

"وہ سامنے میری گاڑی کھڑی ہے، اس کے باوجود آپ نے کس زعم میں یہ آفر کی مجھے مسٹر؟"

"تم میرا بہت ضبط آزما چکیں انزلہ — بس اور نہیں۔ تمہیں بات تو میری سننی پڑے گی۔" اس کا لہجہ و انداز جنونی تھا۔ انزلہ کو جیسے پتنگے لگ گئے۔

"دھمکی دے رہے ہو مجھے؟" وہ پھٹ پڑی تھی، گویا سیال کی سرخ آنکھیں کچھ اور بھی سرخی سمیٹ لائیں۔

"نہیں — اسے درخواست سمجھ لو، رد نہ کرو۔" وہ پھر سے سراپا عاجز تھا، بے بس و لاچار۔

"مجھے تمہاری —"

"انزلہ اک بات یاد رکھنا۔ انتہا کے رویے ہمیشہ شرمندگی و پچھتاوے پر آ کر اختتام پذیر ہوا کرتے ہیں۔ میری مثال سامنے ہے تمہارے۔ میں نہیں چاہتا تمہیں بھی پچھتانا پڑے۔"

"اس خیر خواہی کے لیے شکریہ۔ آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔"

اس درجہ بے زاری و ناگواری سے بھرپور لہجہ اور سرکش خودسر انداز سیال کی ساری رواداری و مفاہمت آمیزی کو بہا لے گئی۔ وہ کتنے نخوت سے اس کے سامنے آ کھڑی تھی حالانکہ وہ اس پر ہر طرح کا استحقاق رکھتا تھا، استحقاق کا یہ احساس ہی تھا کہ وہ ہر مصلحت بھلائے اگلے لمحے جیسے کسی حتمی نتیجے پر پہنچا اور اسے بازو سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے جیپ کا دروازہ کھول کر سیٹ پر پٹخنے کے بعد باہر کی نظروں کی پروا کیے بنا خود گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ تک گیا۔ اگلے لمحے گاڑی ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ جب تک اس شاک اور صدمے سے نکل کر سنبھلی۔ اس کی گاڑی اتنا پیچھے رہ گئی تھی کہ پلٹ کر دیکھنے پر نشان تک نظر نہیں آتا تھا۔

"یہ — یہ کیا بدتمیزی ہے۔ ہوش میں ہو تم؟" دونوں ہاتھوں سے اس کا بازو نوچتے ہوئے وہ جیسے پاگلوں کی طرح چیخنے لگی۔

"فوراً روکو جیپ، اتارو مجھے۔" انزلہ نے شدتوں سے اسے جھنجوڑا، مگر اس پر مطلق اثر نہیں ہوا۔ انزلہ کو صورت حال کی سنگینی کا اندازہ ہوا تو خوف اس کی صلاحیتوں کو سلب کرتا چلا گیا۔

"میں نیچے چھلانگ لگا دوں گی سیال، روک لو جیپ کو۔" خود پر قابو پانے کے باوجود اس کی آواز میں اندیشوں کے ساتھ نمی بھی غلبہ پا چکی تھی۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے انزلہ — تم سمجھتی کیوں نہیں ہو۔" انزلہ کے برعکس وہ قدرے سکون تھا اب۔ انزلہ نے دھندلی نظروں سے اس کا وجیہہ پُرغرور چہرہ دیکھا۔ یہ وہ شخص تھا جس کے اتنے روپ تھے کہ وہ کسی ایک سے بھی مانوس نہیں ہو پائی تھی۔ بس اک احساس تھا نفرت کا، جو روح کو نیلا کرتا جاتا تھا۔

"مجھے تم پر اعتبار نہیں ہے۔ میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں جا سکتی۔" اب کے وہ ہٹ دھرم ہو گئی تھی۔ سیال نے جیسے اَن سنی کر دی۔ اس کا یہ رویہ انزلہ کے لیے بے حد تکلیف دہ ثابت ہوا تھا۔ اسے وہ پھر سے وہی درندہ صفت مطلق العنان شخص لگ رہا تھا، جس نے اپنے مفاد کی خاطر عارضی چولا بدل لیا تھا۔ جیپ آفیسرز کالونی میں داخل ہوئی اور پھر ایک بنگلے کے سامنے جا کر رک گئی۔ مستعد باوردی واچ مین نے لپک کر گیٹ وا کیا اور صاحب کو دیکھ کر سیلوٹ مارا تھا۔ سیال درانی نے گول ستونوں والے آتشی بیلوں سے ڈھکے پورچ میں لا کر جیپ کو روکا پھر اس کی جانب کا دروازہ کھولا تھا۔

"ویلکم ہوم مسز سیال درانی۔" ہلکا سا سر کو خم دے کر وہ بہت تعظیم سے کہہ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی ضرور تھی، مگر آنکھوں میں شوخ تبسم کروٹیں لیتا تھا۔ انزلہ کی روح تک جھلس گئی۔ ہونٹ بھینچے، وہ بے ساختہ رخ پھیر گئی۔

"آ جاؤ یار، کیوں مجھے کسی جسارت پر اکساتی ہو، جو میرے لیے تو عین سعادت ہوگی، مگر تم اس کی تاب نہ لا کر میرے گناہوں اور جرائم کی فہرست طویل کر سکتی ہو۔ ایسے میں سزا بڑھے گی لازمی۔ اک میں بیچارا ہجر کی آگ میں جلتا ہوا خوب صورت جوان مرد — اوپر سے ستم، شادی شدہ بھی، مگر پھر بھی اکیلا، لاچار اور —"

"شٹ اپ!" وہ زور سے دھاڑی۔ اس کی یہ شوخ بکواس اس کا پارہ ہائی کر گئی تھی۔

"اتنا ڈراؤ گی تو پیار کرنے کا حق مجھے خود بخود مل جائے گا۔ انزلہ کچھ تو خیال کرو۔" وہ سنجیدہ تو ہو گیا تھا مگر ارادوں میں تبدیلی نہیں آ سکی۔

"جو بھی بات کرنی ہے یہیں کرو۔" انزلہ نے اس سے نگاہ چار کیے بنا کہا تو سیال درانی ہنس پڑا تھا۔

"ڈر رہی ہو مجھ سے؟" اس کی آنکھیں شوخ جسارتیں کر رہی تھیں۔ وہ سر تا پا سلگ گئی۔

"اسی گھر میں بہت عرصہ تمہارے ساتھ رہ چکی ہوں۔ کبھی جرأت نہیں ہو سکی تھی کہ میری مرضی کے خلاف میرا ہاتھ بھی پکڑتے۔" اپنے تئیں اس نے جیسے اسے آئینہ دکھایا تھا، مگر اس پر الٹا اثر ہوا۔

"یہی تو غلطی کی تھی۔ یار ہمارا ایک آدھا بچہ ہوتا تو آج تمہارا موڈ ٹھیک کرنے کو مجھے اکیلے نہ کھپنا

بڑھ رہا ہوتا۔ اُس کی بے مہاری اور بے باکی کی بھی کوئی حد مقرر نہیں تھی۔ انزلہ کانوں کی لوؤں تک اس طرح سرخ پڑی، جیسے کسی نے رنگ سے بھرا برش چہرے پر پھیر دیا ہو۔ سیال کی نظریں بہت پُرشوق انداز میں اس پر ٹھہری رہ گئی تھیں۔ وہ اسی حساب سے جز بز ہوئی۔

"تمہاری اس طرح کی فضول حرکتیں میرے دل میں موجود تمہاری نفرت میں اضافے کے سوا کچھ کرنے سے قاصر ہیں۔" اس کا جتلاتا ہوا انداز سیال کی ساری چونچالی سمیٹ کر لے گیا۔

"انکل سے تم نے خلع کا کہہ کر اچھا نہیں کیا انزلہ۔ میرے لیے تو یہی سزا کافی تھی جو وہاں آنے پر پابندی لگا کر دی تھی تم نے۔" اس پل وہ پھر سے ٹوٹا ہوا بکھرا ہوا سیال تھا، جسے اس نے اپنے فراق میں راتوں کو جاگتے اور وحشت زدہ دیکھا تھا۔

"تم یہی بات کرنے مجھے یہاں لائے ہو؟" انزلہ نے ہونٹ سکوڑ کر اسے دیکھا۔

"نہیں — بلکہ میں تمہیں یہاں ہمیشہ کے لیے لے آیا ہوں۔ بھاڑ میں گئی تمہارے دل میں اپنی محبت جگانے کی تمنا۔ ایسا شاید قیامت تک نہ ہو تو فائدہ۔ تم ایسے بھی میری بیوی ہو اور آج میں بھی ہر قسم کی خود ساختہ پابندیوں سے آزاد ہوں گا۔ دو چار بچے ہو جائیں گے تو تمہیں ان کے ابا سے خود بخود محبت بھی ہو جائے گی۔" اپنی بات مکمل کر کے اس نے کھٹاک سے دروازہ کھولا اور وہ جو اس کی بیہودہ گوئی سے ہی جھلس رہی تھی اس جسارت پر تو جیسے سکتے میں رہ گئی۔ وہ کتنے اطمینان سے اسے بانہوں میں اٹھا کر اندرونی حصے کی جانب بڑھ گیا تھا، پھر اس کی کوئی مزاحمت اس لوہے اور فولاد سے بنے چٹانی وجود رکھنے والے آدمی کے سامنے کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکی۔ وہ اسے یونہی اپنی بانہوں میں جکڑے بیڈ روم تک آ گیا تھا۔

"بے فکر رہو۔ میں انکل کو فون پر تمہاری یہاں موجودگی کی اطلاع دے دوں گا۔ بس تم اپنا حلیہ بحال کرو۔" اسے بیڈ پر بٹھاتے ہوئے وہ اس پر جھک کر بے حد شوخ و شنگ انداز میں بولا تھا، مگر وہ اسی قدر تلملا کر بپھر کر اسے پوری قوت سے پیچھے دھکیل چکی تھی۔ سیال کو شاید اس سے ایسے ردعمل کی توقع نہیں تھی۔ جبھی وہ لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے چلا گیا، پھر سنبھلا تو بے ساختہ مسکرایا تھا۔

"بڑی جان ہے بھئی، کس کمپنی کا آٹا کھاتی ہو؟" وہ جیسے صاف چھیڑ رہا تھا۔ انزلہ کچھ کہے بغیر کینہ توز نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ اس کی نظریں اس کے ارادوں کو بھانپتی ساتھ ساتھ اپنے دفاع کی خاطر کسی ایسی چیز کی تلاش میں تھیں جسے وہ ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکتی۔

"میرے راستے سے ہٹ جائیں، سیال صاحب ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" فروٹ کی ٹوکری سے جھپٹ کر چھری اٹھانے کے بعد وہ اسے گھورتی ہوئی سرسراتی آواز میں للکار کر بولی۔

"یونیفارم میں ہیں مجھو محاذ پر ہیں۔ آپ کے ہاتھوں شہادت کا درجہ پا کر بھی ہمیں روحانی خوشی ہوگی، لیکن اگر ہم نے آپ پر برتری حاصل کر لی تو پھر آپ ہمیں اپنا آپ سونپنے کی پابند رہیں۔" وہ انگلی اٹھا کر سنجیدہ کے انداز میں کہہ رہا تھا۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔ انزلہ کا چہرہ ہتک کے احساس سے جلنے لگا۔

"میں کیوں تمہارے گندے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے لگی۔ میں خود کو شوٹ کر لوں گی اگر تم نے مجھے جانے نہ دیا۔ یہ طے ہے سیال درانی کہ میں اپنے آپ کو تمہاری ہوس کا نشانہ نہیں بننے دوں گی۔" اس کے لہجے میں اتنی سنگینی تھی کہ سیال اپنی جگہ پر ٹھہر

گر رک گیا۔ اسے لگا وہ جو کچھ کہہ رہی ہے وہ محض دھمکی نہیں ہے۔ وہ اس کی جانب سے فرماں برداری کے مظاہرے کو نہ پا کر کچھ بھی کر گزرے گی۔

"پاگل مت بنو انزلہ — یہ چھری مجھے دو۔" سیال محتاط انداز میں مخاطب ہوا۔ اُس کی عقابی نظریں انزلہ کے ہاتھ میں موجود لمبے پھل والی تیز دھار چھری پر تھیں، جو اس نے مضبوطی سے جکڑ رکھی تھی۔

"میری طرف نہ آنا ایس پی درانی، میں کہہ رہی ہوں۔" وہ پیچھے اور دو قدم مزید پیچھے ہٹی، اس کے چہرے پر وحشت سرسرا رہی تھی۔

"میں تمہیں جانے دوں گا انزلہ۔ تمہاری مرضی کے خلاف کچھ نہیں ہوگا ٹرسٹ می۔ یہ چھری ادھر دو۔" وہ اپنی بات پر زور دیتا کچھ اور آگے بڑھا۔ انزلہ پیچھے نہیں ہٹ سکتی تھی۔ اس کی پشت دیوار سے لگی تھی اور چہرے پر اتنی سرد کیفیت تھی، گویا مرنے مارنے پر آمادہ۔

"مجھے تمہاری کسی بات کا اعتبار نہیں۔ تم اس کمرے سے جاؤ۔ میں خود ہی نکل جاؤں گی — جاؤ۔" وہ حلق کے بل غرائی مگر اس پل اس کا دھیان بٹا پا کر سیال نے اس کے چھری والے ہاتھ کو اپنی گرفت میں لینا چاہا تھا۔ وہ بدحواس ہوئی، دونوں اپنی اپنی کوشش میں مصروف اک دوسرے سے گتھم گتھا ہو چکے تھے۔

سیال کے انداز میں احتیاط تھی، مگر انزلہ حواس باختہ ہو رہی تھی۔ اگلے چند لمحوں میں اسی کھینچا تانی کے باعث سیال کے ہاتھوں پر اچھے خاصے کٹ لگ گئے تھے کیونکہ وہ چھری کو دینے کے بجائے دھار سے پکڑنے کی کوشش میں تھا۔ اگلا لمحہ بے حد خطرناک تھا۔ انزلہ نے طیش میں اس کی اس کوشش کو ناکام بنانا چاہا اور یہیں بے احتیاطی ہوئی تھی۔ چھری پورے پھل سمیت سیال درانی کے یونیفارم کی شرٹ کو چیرتی، اس کی پسلی میں جا گھسی تھی۔ وہ یکدم نہ صرف ساکت ہوا بلکہ تھرائے ہوئے انداز میں پیچھے کی جانب بھی چت ہوا تھا۔ انزلہ خود حیران رہ گئی۔ اس کا اشتعال اور برہمی جیسے یہیں تک تھی۔ اس سے اگلا مقام شدید حیرت، غیر یقینی اور پھر خوف و ہراس کا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کچھ دیر سیال کے متاثرہ حصے سے خون کا فوارہ ابلتے ہوئے دیکھتی رہی تھی، پھر بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹتے وحشت زدہ انداز میں منہ پر ہاتھ رکھ کر گویا حلق سے ابلتی چیخ کو دبانا چاہا۔ سیال درانی نے بھینچے ہوئے ہونٹوں سے چھری کو کھینچا اور اک نظر دکھی ہوئی اس پر ڈالی جو ابھی تک سکتے کے عالم میں کھڑی تھی۔

"شاید یہی چاہتی تھیں تم۔ اب چلی جاؤ انزلہ۔ میں تمہیں حسب منشا روکنے سے قاصر رہوں گا۔" اس کا لہجہ بھیگا ہوا اور سرد تھا۔ اس کی نگاہ تیزی سے یونیفارم کو رنگین کرتی خون کی دھار پر جمی ہوئی تھی، جو اب سرعت سے کارپٹ پر جذب ہوتی جا رہی تھی۔ انزلہ جیسے اس لمحاتی صدمے سے جھرجھرا کر نکلی اور لپک کر اس کے نزدیک آ گئی۔

"اللہ گواہ ہے۔ میرا مقصد تمہیں مارنا نہیں تھا۔ مم میں —" وہ سراسیمہ نظر آ رہی تھی۔ سیال درانی نے ایک نظر اس کے خوف زدہ چہرے کو دیکھا پھر عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

"تمہاری بدقسمتی یہ ہے انزلہ کے تمہارا نشانہ خطا ہو چکا ہے۔ دل کے مقام پر مارتیں تو میں اگلا سانس نہ لے سکتا تھا۔ ہر طرح کی من پسند آزادی بہت سہولت سے تمہارا نصیب بن جاتی۔ اس کا لہجہ تلخ نہیں تھا، ہارا ہوا تھا۔ انزلہ نے وحشت زدہ انداز میں اسے دیکھا۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ میں —"

"انزلہ تم جاؤ یہاں سے۔ سکیورٹی کے لوگ اب یہاں آئیں گے، میں نہیں چاہتا تم اس معاملے میں ملوث ہو۔" اس کا لہجہ درد و تکلیف کے ساتھ برداشت کی کوشش میں بھی بھیگا ہوا تھا۔ انزلہ کو صورتحال کی گمبھیرتا کا احساس ہوا۔ فضول کی وضاحتوں میں وہ اس کی جان پر کھیل رہی تھی گویا۔ اس نے اک نظر سیال کے پسینے میں ڈوبے زرد چہرے پر ڈالی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں ون فائیو کو کال کرتی ہوں، بلکہ اگر آپ ذرا سی ہمت کریں تو میں واچ مین کی مدد سے ہاسپٹل بھی....."

"اس عنایت کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟ تمہارا کام تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ منصوبے کی ناکامی پر دوسرا وار کرتیں۔ ابھی بھی وقت ہے..... یہ لو..... پہنچا دو اس کام کو۔" وہ بے حد چڑچڑا ہو کر بولا اور اسی جھنجلاہٹ میں خون آلود چھری کارپٹ سے اٹھا کر اس کی جانب اچھالی۔ انزلہ کا رنگ دھواں دھواں ہو کر رہ گیا تھا۔ کچھ کہے بغیر وہ پلٹ کر کمرے سے نکل آئی۔ واچ مین کو صورت حال سے آگاہ کرنے کے بعد اس نے تیزی سے اندر بلایا تھا، صرف واچ مین نہیں دیگر ملازم بھی افتاں و خیزاں بھاگے بھاگے آ گئے تھے اور صورت حال کی نزاکت نے ان کے ہاتھ پیر پھلا کر رکھ دیے۔

"انہیں گاڑی تک لے کر آؤ جلدی۔ ہری اپ، میں گاڑی اسٹارٹ کر رہی ہوں۔" وہ چیخی تھی۔ اسے بہت شدت سے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ بہت ٹائم ضائع کر چکی ہے۔ سیال پر طاری ہوتی غنودگی خطرے سے خالی نہیں تھی۔

"تم ساتھ نہیں جاؤ گی انزلہ۔ میں کہہ رہا ہوں ناں گھر جاؤ واپس۔" وہ ضد پر اڑا ہوا تھا۔ جبکہ وہ بے بس ہو رہی تھی۔

"سیال۔ اس وقت آپ کو میری ضرورت ہے۔ ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ۔"

"تم کیوں نہیں کرتی ہو انڈر اسٹینڈ۔ پاگل لڑکی، معاملہ بگاڑ دو گی، جاؤ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" اسے اکڑے دیکھ کر وہ قہر زدہ انداز میں چلایا، پھر نوکروں پر برسنے لگا۔

"خیر دین تم بی بی کو ان کے گھر چھوڑ دینا دوسری گاڑی میں۔ سراج تم ہاسپٹل چلو اور سنو بی بی کی یہاں موجودگی کا کسی کو علم نہیں ہونا چاہیے، سن رہے ہو؟"

اس فگر حالت میں بھی وہ سختی چابک دستی سے معاملے کو ہینڈل کر رہا تھا۔ انزلہ نے جانا اس کے اعصاب بے حد مضبوط تھے۔ وہ عجیب سے احساسات کے ہمراہ وہاں کھڑی رہ گئی۔ پولیس جیپ سڑک پر فراٹے بھرتی نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی۔

☆—☆—☆

"انزلہ بیٹے!" وہ واپس لوٹی تو عجیب سا اضمحلال اور تھکن اس کے اعصاب سے لپٹی ہوئی تھی۔ دل میں جیسے کوئی تیزہ سا پیوست ہو چکا تھا۔ اسے خود اپنے جذبات کی خبر نہیں تھی۔ آپا کیا چاہتی ہے وہ۔ آفاق شیرازی کی پکار پر اس نے تھم کر خالی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"میں نے وکیل سے بات کر لی ہے بیٹے۔ آج شام تک کارروائی مکمل کر کے وہ پہلا نوٹس سیال کو بھیج دیں گے۔ اس معاملے میں خاموشی کی وجہ صرف ایک تھی بیٹے، وہ یہ کہ آپ کی امی کو سیال سے بہت محبت تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ جب وہ چھ سالہ سیال کی انگلی تھامے مجھ سے پہلی بار ملنے آئی تو اس گول مٹول بے حد کیوٹ سے بچے میں میری دلچسپی دیکھ کر اس نے پیار بھری نظروں سے سیال کو دیکھتے

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں "دم"

پاکستان کی اہم خاتون شخصیات کی زندگی اور جدوجہد سے مربوط ایک خاص سلسلہ جس میں آپ آج کی عورت کا اصل مقام اُس کی اس معاشرے میں ثابت قدمی سے منزل کو پانے کی کہانی اور ملکی تاریخ میں اپنا لوہا منوانے کے عزم کو آپ کے لیے اُن ہی کی زبانی پیش کیا جاتا ہے۔

اُن مایہ ناز خواتین کی کہانی، جن سے ہماری آج کی عورت بہت کچھ سیکھ رہی ہے۔

دوشیزہ ڈائجسٹ کی روایات سے مربوط آج کی عورت کی عظمت کا آئینہ

"وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں "دم"

ہوئے ایک بات کہی تھی۔

"آفاق سیال میں میری آدھی جان اٹکی رہتی ہے۔ یہ مجھے بہت عزیز ہے۔ یہ ممکن تو نہیں ہو سکے گا مگر میری خواہش ہے اگر ہماری بنی ہوئی تو اُس کی شادی سیال سے ہو سکتی۔" انہوں نے چند لمحوں کا توقف کیا تھا۔ انزلہ سر جھکائے لب بستہ کھڑی رہی، جیسے اس کے پاس کہنے کو کچھ بھی نہ رہ گیا ہو۔

"وہ صحیح سمجھتی تھی بیٹے۔ بعد کے حالات ایسے واقعی نہیں رہے تھے کہ ایسا ممکن ہو پاتا، مگر کچھ فیصلے انسانی بساط سے باہر کے ہوتے ہیں جنہیں قدرت مرتب کرتی ہے۔ سیال سے تمہارا نکاح بھی ایسا ہی فیصلہ تھا۔ جسے ظاہر ہے تمہاری طرح میں بھی قبول نہیں کر سکا۔ انزلہ بیٹے! پھر وقت نے کروٹ بدلی اور سیال یکسر نئے روپ میں میرے سامنے آیا۔ یہ روپ وہی تھا جو میں تمہارے لیے منتخب کردہ نوجوان میں دیکھنے کا متمنی تھا۔ کیئرنگ، لونگ اور درگزر سے کام لینے والا۔ میں نے سمجھا اور جانا کہ وہ اپنے کیے پر نادم ہے۔ جبھی میں نے اس کے لیے گنجائش رکھی اور تمہارے دل میں اُس جگہ کے بننے کا انتظار کرنے لگا جو میرے خیال میں جلد یا بدیر بننے والی تھی مگر — مگر کل مجھے لگا ایسا شاید کبھی ممکن نہ ہو سکے۔ تم اسے کبھی بھی Accept نہ کر سکو گی۔ یہ انتظار وقت کے زیاں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے، پھر میں تھوڑا خود غرض بھی ہو رہا تھا۔ تمہاری امی کی خواہش کے پیشِ نظر — مگر جیتے جانے والے انسانوں سے دنیا میں بسنے والے انسانوں کی خواہش اہم اور معتبر ہوتی ہے۔ مجھے آپ پر جبر کرنا بالکل پسند نہیں ہوگا۔ آپ کی خوشی میرے نزدیک بے حد اہم ہے۔"

انہوں نے اسی نرمی و محبت سے کہتے اس کا سر تھپکا تو انزلہ کچھ کہے بغیر ان کے بازو سے لپٹ کر سسک اٹھی تھی۔

مجدد الف ثانی

28 صفر 1034ھ مطابق 30 نومبر 1624ء حضرت مجدد الف ثانی کی تاریخ وفات ہے آپ کا اصل نام شیخ احمد، لقب بدر الدین اور کنیت ابوالبرکات تھی۔ آپ 26 جون 1564ء کو سرہند شریف کے مقام پر پیدا ہوئے تھے یہ وہ زمانہ تھا جب برصغیر پر مغل بادشاہ جلال الدین اکبر کی حکومت تھی اور اس کی غیر اسلامی رسومات اور اشاعت کی وجہ سے اسلام کو سخت خطرہ پیدا ہو گیا تھا حضرت مجدد الف ثانی نے اکبر اور اس کے بیٹے جہانگیر کے کفر و الحاد کا بڑی پامردی سے مقابلہ کیا اور اسلام کو اس کی حقیقی عظمت عطا کی، اسی لیے آپ کو "مجدد الف ثانی" یعنی اسلام کے دوسرے ہزارے کا مجدد کہا جاتا ہے۔

"میں جانتی ہوں پپا آپ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ مما سے بھی زیادہ، مگر پپا آپ وکیل کو فون کر کے فی الحال کارروائی سے منع کر دیں، میں ابھی اس معاملے پر سوچنا چاہتی ہوں۔" اس جواب کی آفاق شیرازی کو ہرگز توقع نہیں تھی، جبھی وہ ٹھٹک گئے تھے۔

"بیٹے آپ —"

"پپا بات صرف مما کی نہیں ہے، کسی اور کی بھی ہے۔ میں کچھ اور سوچ لوں۔ مجھے وقت دیں۔" اس

نے اب کے کسی قدر رسانیت سے کہا تھا۔ آفاق شیرازی نے محض سر اثبات میں ہلا دیا۔ بہر حال یہ طے تھا کہ وہ اُس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

☆—☆—☆

"کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" اس کی گہری، پُرتپش نظروں سے جز بز ہوتے انزلہ نے مدھم لہجے میں سوال کیا تھا اور جواباً وہ آہستگی سے ہنس دیا۔

"زخم لگا کر کسی کو مرہم رکھتے نہ پہلے سُنا نہ دیکھا، بہر حال بفضلِ خدا ٹھیک ہوں۔ وار کاری تو تھا، مگر صد افسوس جان لیوا نہیں۔ حالانکہ ہم نے تو جامِ شہادت نوش کرنے کا پورا زور لگایا تھا۔ ایسے مواقع روز کہاں نصیب ہوتے ہیں۔" اس کی تیکھی اور الزامیہ گفتگو انزلہ کے چہرے کو پھیکا سا کر کے رکھ گئی۔ اس نے شاکی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

"آپ خوامخواہ الزام لگا رہے ہیں مجھ پر۔ میرا ہرگز ایسا ارادہ نہیں تھا۔ چھری میں نے خود کو نقصان پہنچانے کی غرض سے اٹھائی تھی۔" وہ جیسے وضاحت دینے پر مجبور تھی۔ سیال درانی رواداری سے مسکرانے لگا۔

"جانتا ہوں، بتانے کی ضرورت نہیں، جبھی تو ہم اپنی جان پر کھیل گئے۔ دوسرے لفظوں میں آپ کی مشکل بھی آسان کرنی چاہی تھی۔ طلاق دینا تو بس میں نہیں تھا، یہی کر سکتے تھے۔" وہ اس کی دہکتی ہوئی رنگت پر مرتعش پلکوں کا سایہ دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

"میں چلتی ہوں۔" وہ اس کی گہری بولتی نظروں سے خائف ہوتی جیسے ہی اٹھی، سیال نے یکدم اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ انزلہ یکلخت ساکن رہ گئی۔ تلخی و تنفر کی بجائے اس جسارت نے بل جاب آمیز کوفت سے دوچار کیا تھا۔ وہ جھکی نظروں سے اس کے بھاری مردانہ ہاتھ میں دبے اپنے ہاتھ کو دیکھتی رہی، اس گرفت سے آزادی کی خاطر مزاحمت نہیں کی، جس نے سیال کو پہلے حیرت پھر خوشگواریت میں مبتلا کیا تھا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا انزلہ کہ تم تھوڑا سا کمپرومائز کر لو۔ طلاع کا کیس واپس نہ کرو۔" اس کی تلخی نگاہوں میں عجیب سی بے بسی تھی۔ لہجے کی حلاوت میں بڑی تاثیر تھی۔

"یعنی آپ کا جاگیردارانہ خون اس بات کا متقاضی ہے کہ مجھے عمر بھر خود سے منسوب رکھ کر سزا دیں گے؟" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گئی۔ سیال درانی کے چہرے پر اضمحلال بکھر گیا۔

"تم اسے دوسرے پہلو سے بھی سوچو تو میں اپنی آس کو قائم رکھنا چاہتا ہوں۔ چاہے یہ انتظار قیامت تک طویل کیوں نہ ہو جائے۔"

"اتنے پارسا تو کبھی نہ تھے آپ، نہ ہی اس درجہ صابر۔" وہ پھر طنز کر گئی۔ سیال کے ہونٹوں پر زخمی مسکراہٹ رینگنے لگی۔ وہ جانتا تھا وہ کچھ بھی کہے گا، انزلہ یقین نہیں کرے گی۔ جبھی خاموشی اختیار کیے رکھی۔

"میں چلتی ہوں۔"

"میری بات کا جواب——" وہ بے چین ہوا۔ انزلہ نے ٹھنڈا سانس بھر لیا۔

"ڈیور ہا۔" اس نے ایک سرسری نگاہ ڈال کر رکھائی سے کہا اور ہوا کے جھونکے کی طرح پلٹ کر باہر نکل گئی۔

سیال درانی نے جیسے تھک کر آنکھیں موند لیں۔ اسے انزلہ کے کسی رویے سے شکوہ نہیں تھا۔ وہ اپنے ہر سلوک میں حق بجانب تھی۔ یہ اس کا وقت تھا، وہ ہر فیصلے کی مجاز تھی۔ اس کے باوجود اس میں گنجائش بھی تھی اور نرمی کا عنصر بھی۔ جب وقت کی باگ میں سیال درانی کے ہاتھ میں تھیں، تب وہ فرعون بن بیٹھا تھا۔

اور فرعون کے دل میں نہ نرمی تھی نہ صلۂ رحمی۔

اُسے یاد تھا آج سے دو سال قبل بالکل انہی دنوں جب انزلہ شیرازی سے اس کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ وقت پلٹ کر جیسے انہی لمحوں کی گرفت میں لے چکا تھا۔

☆—☆—☆

"بھئی عائزہ کب آئے گی وہ تمہاری نک چڑی سہیلی جس کی آس میں تم نے مجھ پر لاتعداد پابندیاں عائد کر رکھی ہیں۔ آنٹی دیکھ رہی ہیں اس لڑکی کو؟ بس میری برداشت ختم، میں کھا رہا ہوں کیک، بھلے تم بعد میں بیکری سے اور لاؤ پھر دوبارہ پیک کرتی پھرو۔"

اُس نے اطمینان سے کہتے ہوئے جیسے ہی ٹیبل پر دیگر اشیا کے ساتھ سجے کیک پر دھاوا بولا۔ عائزہ خونخوار بلی کی طرح اس پر جھپٹی تھی۔

"خبردار سیال بھائی! جو آپ نے اسے چھوا بھی۔ میں ہرگز آپ کے حصے کا لحاظ نہیں کروں گی۔ جس کا رعب ہے اس شہر اسلام آباد پر۔ یہ کیک انزلہ کے آنے سے پہلے نہیں کٹ سکتا۔" سیال نے اسے تادیبی نظروں سے دیکھا، پھر تیور بدل کر اس کا دھیان بٹانے کی سعی کی تھی۔

"تم کال کر دو یار اسے۔ عین ممکن ہے محترمہ کا راستے میں ایکسیڈنٹ ہو گیا ہو اور بیچاری فوت شدگان میں شامل ہو گئی ہو۔ تم خوامخواہ کیک خراب کر رہی ہو اس کے انتظار میں۔" بات ایسی تھی جس نے سیدھا سیدھا عائزہ کے دل کا نشانہ لیا۔ وہ اس لمحے باقاعدہ جھنجھلا پڑی تھی۔

"چچ چچ——شرم نہیں آتی آپ کو سیال بھائی، جوان جہان لڑکی کے متعلق منہ پھاڑ کر ایسا کہتے۔ پتا ہے بیچاری کی ماں پہلے ہی وفات پا چکی ہیں۔ انکل اس کی وجہ سے جیتے ہیں گویا۔"

"سوری محترمہ، مجھے اس المناک حقیقت کا علم نہیں تھا، ورنہ میں ایسی گستاخی نہ کرتا۔ اچھا کال تو کرواسے۔" وہ نرم لہجے پن سے بولا۔

"میرے پاس انزلہ سے کریڈٹ نہیں۔" عائزہ کے جواب پر سیال نے اسے بے دریغ گھورا۔

"کنجوس لڑکی میں جانتا ہوں تمہاری کھمی چوس عادت کو۔ خیر یہ لو سیل۔ پتا کرو اس کا۔" اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے اپنا سیل پیش کیا۔ اسے ایک گھنٹے بعد ڈیوٹی پر پہنچنا تھا۔ عائزہ نے دانت نکالتے ہوئے سیل فون لے کر نمبر ڈائل کیے۔ اس سے قبل کہ کال ریسو ہوتی انزلہ خود وہاں چلی آئی۔

"السلام علیکم! اینڈ سوری فار لیٹ یار۔ راستے میں رش بہت تھا مسٹر سے۔" اس سے پہلے کہ عائزہ اس کے لتے لیتی اس نے خود صفائی بیان کی۔

"کیا لائی ہو میرے لیے جلدی بتاؤ۔ مہنگا تحفہ ہو گا تو ہی جان بخشوں گی ورنہ سزا تو ملے گی۔" عائزہ نے خوبصورت پیکنگ میں لپٹا گفٹ پیک جھپٹا۔ انزلہ ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گئی اس ندیدے پن پر۔

چمن و باغ سب ہنس پڑے گل مسکرائے
بہت بہت شکریہ کہ آپ تشریف لائے

"اچھا تو آپ ہیں مس انزلہ شیرازی، جن کی وجہ سے ایس پی سیال درانی کو بھی حسب توقع عزت افزائی نہیں مل رہی تھی۔" وہ اٹھ کر اس کے مقابل آ کر بڑے انداز میں گویا ہوا تھا۔ شوخ و شنگ لہجہ و انداز اس کی دبنگ و شاندار و بارعب شخصیت کے بالکل برعکس غیر سنجیدہ تھا۔ انزلہ تو حیران رہ گئی تھی۔

"تشریف رکھیے مادام کھڑی کیوں ہیں۔" اس کے تاثرات سے محظوظ ہوتے وہ مسکراہٹ دبا کر بولا۔ انداز میں اتنی عاجزی، اس قدر انکساری تھی کہ انزلہ گڑبڑا سی گئی کہ وہ بہت تعظیم سے کرسی پیش کر رہا تھا۔

"اُفوہ سیال بھائی! کبھی تو سیریس ہو جایا کریں تاکہ ہمیں لگے آپ واقعی ایس پی صاحب ہیں۔" عائزہ ہنستے ہوئے مداخلت کر گئی تھی۔ پھر انزلہ کے حیران پریشان چہرے کو دیکھ کر ہنسی کے دوران بولی تھی۔

"انزلہ یہ سیال بھائی ہیں۔ یار وہی ایس پی صاحب جن کی گاڑی سے امی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اور یہ امی کو ہاسپٹل لے گئے تھے۔ وہیں سے جان پہچان ہوئی تھی جو امی کی محبت کے باعث اس گھریلو تلخ پر محبت کا باعث بن گئی۔"

"اوہ — تو گویا یہ زخم لگا کر رفوگری کے بھی ماہر ہیں۔ گڈ!" انزلہ کا لہجہ جانے کیوں درشت ہو گیا تھا، شاید اسے اجنبی شخص کی اتنی بے تکلفی گراں گزری تھی۔

"آپ کے لہجے و انداز میں بہت کڑواہٹ ہے عزیزی۔ خیریت؟ ویسے یہ بھی بڑی بات ہے کہ ہم زخم کی رفوگری کے عادی ہیں۔ ورنہ آج زیادہ لوگ صرف گھاؤ لگانے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔" وہ بھی سنجیدہ ہو گیا تھا۔ انزلہ نے تیکھی اور سرد نظروں سے اسے دیکھا۔

"اگر آپ اتنے مسیحا ہیں تو پھر گھاؤ لگانے والوں میں کیوں شامل ہوتے ہیں؟"

اس کا لہجہ اس کی نظروں کی طرح تلخ تھا۔ اُسے اپنے خاندان سے نفرت تھی، جس نے اس سے اس کی ماں کو چھین لیا تھا۔ سفاکی، ظلم و بربریت کی ایک المناک داستان رقم تھی اس کے ماضی میں۔

"میں نے یہ گھاؤ دانستہ نہیں لگایا تھا محترمہ — اور جنہیں لگا، انہیں تو مجھ سے کوئی شکایت نہیں۔ آپ خوامخواہ ناراض ہو رہی ہیں۔ واضح رہے آنٹی طلعت کی بیٹی آپ نہیں عائزہ خاتون ہیں۔" سیال ہنوز پُرسکون تھا، مگر اس کا لہجہ و انداز اب کے ضرور کڑا تھا، جیسے اس کی طبیعت صاف کرنے کا تہیہ کیا ہو۔

"مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کے منہ لگنے کی سمجھے آپ؟" انزلہ کا لہجہ صاف تحقیر آمیز تھا۔ سیال درانی تو ششدر ہو کر رہ گیا۔

"آپ حد سے بڑھ رہی ہیں محترمہ، تمیز سے بات کریں۔" اس کے تیور فی الفور مخصوص افسرانہ جھلک سمیٹ لائے، لہجہ دبنگ اور سرد ہو چکا تھا۔ صورتِ حال کی تبدیلی نے طلعت بیگم اور عائزہ کے ساتھ اس کی بہنوں کو بھی خائف کر دیا۔ جبھی بڑی مشکل سے دو مشتعل افراد کو الگ کیا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے بیٹے۔ کم ڈاؤن۔"

طلعت بیگم سیال درانی کو تھپک رہی تھیں۔ جس کی آنکھیں ہر لمحہ سرخ ہوتی جا رہی تھیں، مگر خود پر ضبط کیے ہونٹ بھینچے رہا، پھر وہ تقریب اتنی شاندار اور جاندار نہیں رہی تھی صرف اسی تلخی کے باعث۔

"یہ ڈریس اصل میں تمہاری برتھ ڈے کے لیے بنوایا ہے۔ تم نے بتایا ہی نہیں کیسی لگ رہی ہوں میں۔" سیال درانی کی بالنسبت انزلہ نے اس معاملے کو سر پر سوار نہیں کیا تھا۔ جبھی وہ کچھ دیر بعد سب کچھ فراموش کیے ہنسنے مسکرانے لگی تھی۔

"بالکل پاکستانی جھنڈا لگ رہی ہیں۔" سیال نے اس کے سبز پیروں تک آتے فراک اور اس پر ہوئے خوبصورت سلور کام کو نشانہ بنا کر دانستہ جملہ کہا تھا۔ انزلہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ انزلہ نے نخوت سے نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔

"میں چلتی ہوں عائزہ۔" اگلے آدھے گھنٹے میں وقفے وقفے سے جب بھی اس کی سیال پر نظر اٹھی، اسے اپنی جانب ہی متوجہ پا کر اس کا موڈ اتنا خراب ہوا تھا کہ یکدم واپسی کا ارادہ باندھ لیا۔

"خیریت، یوں اچانک طبیعت ٹھیک ہے نا تمہاری۔" عائزہ حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"بس مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے، خدا حافظ۔" وہ بیگ اٹھائے آناً فاناً باہر نکل گئی، مگر اس کا سامنا پھر سے سیال درانی سے پورچ میں ہو گیا تھا۔

"آیئے میں ڈراپ کر دوں آپ کو۔" اس نے از خود اسے مخاطب کیا تھا۔ انزلہ نے اَن سنی کر دی اور عائزہ سے مل کر اپنی گاڑی کا دروازہ ان لاک کرنے لگی۔ تب ہی سیال درانی نے پیش قدمی کی تھی اور اس کے مقابل آ کر اسے مخاطب کر لیا تھا۔

"آپ شاید خفا ہو گئی ہیں مجھ سے۔" انزلہ نے غصے کی زیادتی سے اسے گھورنا چاہا، مگر اس کی لودیتی نظروں کا فوکس اپنے چہرے کو پا کر گویا تاب نہ لاتے ہوئے جھنجلا کر رہ گئی تھی۔

"میں اجنبی لوگوں سے کیوں خفا و ناراض ہونے کے جوہلے پالنے لگی اور مسٹر ایک بات اور — مجھے یہ بے تکلفی بالکل پسند نہیں۔"

اس کے مصافحے کو بڑھے ہاتھ کو جتلاتی نظروں سے دیکھتے اس نے تلخی سے کہا اور گاڑی میں بیٹھنے کے بعد اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ وہ زیرِ لب مسکراتا ہوا اسے دور ہوتا دیکھتا رہا تھا۔

☆—☆—☆

"آپ کب تک واپس آئیں گے پپا؟" آفاق شیرازی کی بزنس کے سلسلے میں انگلینڈ روانگی اسے اضطراب میں مبتلا کر گئی تھی۔ پورا ایک مہینے کا ٹور تھا۔ ظاہر ہے اس دوران اسے حویلی میں رہنا تھا۔ حویلی جس کے عام مکین اسے ایک آنکھ بھی نہیں بھاتے تھے۔

"اگر ممکن ہوتا بیٹے تو میں آپ کو ساتھ لے جاتا، مگر آپ کے ایگزیم سر پر ہیں۔" آفاق شیرازی نے اس کا گال تھپتھپا کر گویا سمجھانے کی کوشش کی، وہ گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔ انہیں بتا نہیں سکی کہ وہ عذرا خاتون اور بابا سائیں کی دل شگاف نظروں اور طنز کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

"آپ کی شاویز سے تو خوب دوستی ہے نا بیٹے۔ میں نے شاویز کو خصوصی تاکید کی ہے۔ وہ آپ کا خیال رکھے گا۔" اس کی فکر مندی۔ گریز اور یاسیت کو محسوس کرتے وہ اسے بہلانے کی سعی کر رہے تھے۔

"پپا میں یہاں اکیلی نہیں رہ سکتی ہوں تو ایک ماہ کے لیے آپ مجھے ہاسٹل چھوڑ دیں — پلیز۔" اس کے التجا آمیز لہجے پر آفاق شیرازی پریشان و متفکر نظر آنے لگے۔

"بیٹے بابا سائیں کبھی راضی نہیں ہوں گے۔ دن تو تقریباً آپ کا سفر میں اور کالج میں گزر جائے گا، رات کی ہی بات ہے۔"

انہوں نے اسے پھر بہلایا۔ عذرا خاتون کے تو ویسے ہی طعنے نہیں تھمتے تھے۔ ان کا خیال تھا وہ اولاد میں تفریق کرتے تھے، جو حیثیت و اہمیت انزلہ کی تھی وہ شاویز یا پھر رانیہ کی نہیں تھی۔ شاید ان کا یہ شکوہ کسی حد تک بجا بھی تھا۔ انزلہ ان کے پاس نازنین کی نشانی تھی۔ ان کی محبت کا جیتا جاگتا ثبوت، پہلی اولاد۔ وہ اس کے لیے بے حد حساس تھے۔ بے حد جذباتی تھے۔ یہ سب اپنی جگہ مسلم تھا، مگر وہ اولاد میں تفریق کے قائل تھے نہ ناانصافی کے۔ جبھی نہیں چاہتے تھے ان سے وابستہ رشتوں کو شکایت یا تکلیف پہنچے۔ وہ زندگی میں توازن کے قائل تھے۔ جبھی انزلہ کو کسی نہ کسی طریقے قائل کر کے گاؤں لے آئے تھے۔ شام کو ان کی بابا سائیں کے کمرے میں طلبی ہو گئی تھی۔

"بیٹھو آفاق۔ اس مرتبہ بہت عرصے بعد چکر لگا رہے ہو حویلی کا۔" جواب میں انہوں نے کاروبار کی مصروفیات بتانا شروع کیں تو بابا سائیں کی

نظروں میں ہلکی سی تلخی و تپش ایک ساتھ در آئی تھی۔

"آفاق شیرازی ـــ تمہاری محبوبہ کو مرے بھی برسوں بیت گئے، مگر تم آج بھی اس کی یادوں کے حصار سے نہیں نکل سکے۔ ناکام و نامراد ہوتا ہے وہ آدمی جو ماضی کے گرداب میں دانستہ بھٹکتا رہتا ہے۔ تمہاری بیوی بچے تمہارے یہاں منتظر رہتے ہیں، پس تم پہلی بیوی کی اولاد کو سینے سے لگائے اس کی یادوں میں گم رہنے میں ـــ"

"ایسا نہیں ہے بابا سائیں۔ میں نے بارہا عذرا سے کہا ہے وہاں جا کر رہنے کو، مگر آپ گواہ ہیں، وہ قائل نہیں ہوتیں۔ میرے کاروبار کی نوعیت ایسی نہیں کہ سب کچھ چھوڑ کر یہاں آ بیٹھوں۔" وہ جیسے جز بز ہو کر وضاحت اور صفائی دے رہے تھے۔ انہوں نے جواباً نخوت سے سر جھٹکا۔

"خیر یہ تم دونوں کا ذاتی معاملہ ہے۔ مجھے تم سے اس وقت کچھ اور اہم بات کرنی ہے۔" ان کا انداز خصوصی تھا۔ آفاق کو اپنی پوری توجہ ان کی جانب مرکوز کرنی پڑی۔

"احسان درانی نے اپنے بیٹے سیال درانی کا رشتہ ڈالا ہے تمہاری لاڈلی کے لیے۔ لڑکا بہت قابل ہے۔ شہر کا پڑھا لکھا بڑا افسر۔ انکار کا کوئی جواز نہیں بنتا۔" ان کا لہجہ جتنا پُرسکون اور مطمئن تھا، آفاق شیرازی کے اعصاب کو اسی قدر شدید دھچکا لگا۔

"کیا کہا آپ نے؟ انکار کا کوئی جواز نہیں بنتا؟" وہ جیسے صدمے سے گنگ ہونے لگے۔ بابا سائیں نے ناراضی کے عالم میں ان کا یہ غم و غصہ ملاحظہ کیا تھا، پھر اسی ترش و تیز انداز میں بات کو آگے بڑھایا۔

"اس میں انہونی کیا ہے۔ تم یہ کارنامہ بہت پہلے انجام دے چکے ہو۔ ان کی لڑکی اٹھالی تھی تم نے، عزت کو مٹی میں رولا تھا۔ وہ لوگ تو پھر عزت سے بیاہنا چاہتے ہیں۔" ان کا لہجہ تاؤ کھایا ہوا اور کاٹ دار تھا۔ آفاق شیرازی کو کند چھری کی مانند کاٹ کے رکھ گیا۔

"پرانے قصے نہیں دہرایئے بابا سائیں۔ زخم چھلتے ہیں میرے۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ ان لوگوں کو انکار کر دیں۔" وہ جیسے بھرائی ہوئی آواز میں بولے تھے۔ بابا سائیں کا پارہ چڑھ گیا۔

"تمہارا دماغ آج بھی خراب ہے آفاق۔ دشمنی کی وہ آگ جو تم نے سلگائی تھی تمہیں ہی بجھانا بھی ہوگی لڑکی کا رشتہ دے کر۔ یہ لڑکی ہے بھی انہی کی سگی سوتری۔ انہی کی بیٹی کی اولاد ہے، اصولاً اسے وہیں پہنچنا چاہیے۔"

ان کے سفاک لہجے میں سوائے نفرت کے کچھ نہیں تھا۔ آفاق شیرازی نے بے تحاشا اذیت سے گزرتے ہوئے اپنے باپ کو اک نظر دیکھا تھا، پھر قطعی اور دوٹوک انداز میں بولے تھے۔

"میں معذرت خواہ ہوں بابا سائیں۔ اپنی بیٹی کی قربانی پیش نہیں کر سکتا۔ جنہوں نے اپنی بیٹی کو اپنے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار دیا تھا، وہ میری بیٹی کے ساتھ کیا سلوک کریں گے اندازہ تو ہوگا آپ کو۔" ان کے سرد لہجے میں طنز بھی تھا اور تلخی بھی۔ بابا سائیں نے محض ہنکار بھرا۔

"ہر سال پانی کے جھگڑے پر ہمارے اور درانی خاندان کے کئی بندے پھڑک جاتے ہیں۔ یہ خونی جنگ کب رکے گی آفاق؟ فی الحال معاملہ ملازموں کی خونریزی پر موقوف ہے۔ خدانخواستہ کل کو معاملہ سنگین بھی ہو سکتا ہے۔ یہ وقت معاملہ فہمی کا ہے۔ ضروری نہیں وہ لوگ غلط ارادہ ہی رکھتے ہوں۔" اب کے انہوں نے رسان اور نرمی سے بات سمجھانا چاہی تھی۔ آفاق شیرازی کے چہرے و آنکھوں کا کرب دوچند ہو گیا۔

"میں ان کے کسی معاملے یا سوچ کا گواہ نہیں ہوں بابا سائیں۔ بس اتنا جانتا ہوں کہ میں اس آزمائش کی طاقت نہیں رکھتا۔ آپ سے اتنی گزارش ہے کہ خیال رکھیے گا۔ میں بیس سال پرانے زخم بھی آج تک رستے محسوس کرتا ہوں۔ نازنین کے بعد انزلہ میری کل متاع ہے۔ اس کی امانت اور نشانی۔ میں کم از کم اسے دشمنوں کو سونپنے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔" وہ باپ کو صاف جواب دے کر وہاں سے چلے گئے ایک ماہ کے لیے انگلینڈ آفیشل ٹور پر وہ نہیں جانتے تھے کاتب تقدیر نے نصیب میں کیا درج کیا ہوا ہے۔

ان کے جواب نے حالانکہ بابا سائیں کو چراغ پا کیا تھا اور وہ کھول گئے تھے، جبھی اسی وقت بیٹے کو جتانے سے بھی باز نہ رہ سکے۔

"چلو تم نے آج یہ تو مانا کہ یہ لڑکی تمہارے لیے سب کچھ ہے۔ اس کی وجہ سے تم عذرا اور اس کے بچوں کی بھی حق تلفی کرتے رہے، مگر تمہیں کبھی احساس نہ ہوا۔"

یہ ایسا طعنہ تھا جو بابا سائیں بھانجی کی محبت میں بارہا انہیں دے چکے تھے، جو سو مربع زمین نام لکھوا کر بیاہ کر اس دہلیز پر آئی تھی۔ ظاہر ہے انہیں وہی عزیز ہو سکتی تھی نہ کہ والدین کی عزت کو دھبہ لگا کر محبت کو سرخرو کرنے والی نازنین۔ نازنین کی بیٹی کی حیثیت سے انہوں نے کبھی پوتی کو بھی شفقت و محبت کے قابل نہیں سمجھا تھا۔ وہ ایسا کرتے وقت ہمیشہ یہ بھول جاتے کہ وہ صرف نازنین کی نہیں ان کے بیٹے کی بھی اولاد ہے۔ انزلہ کے ساتھ ہونے والی اس حق تلفی نے آفاق کو انزلہ کے لیے اس درجہ حساس کر دیا تھا۔ بابا سائیں کا طعنہ اک لمبی بحث کا متقاضی تھا۔ یہ بحث وہ پہلے بھی کر چکے تھے، مگر حاصل وصول کبھی نہیں رہا تھا، جبھی انہوں نے اس مرتبہ خاموشی کی بکل ماری۔ اس بات سے بے خبر رہ کر ان کی یہ چشم پوشی بابا سائیں کے دل میں ان کی جانب سے شکایت اور ناراضی کو بڑھا گئی ہے۔ جس کا کوئی شدید ردعمل بھی ظاہر ہو سکتا تھا اور وہ ردعمل محض آٹھ دن کے بعد سامنے آ گیا تھا۔

☆ ـــ ☆ ـــ ☆

"ابھی بلوایا ہے؟ اسی وقت؟" انزلہ حیران ششدر سی ڈرائیور کی شکل دیکھ رہی تھی، جو اسے فوری لانے کے آرڈر کے ساتھ آیا تھا۔

"جی چھوٹی بی بی ـــ بڑے سائیں کا حکم ہے کہ ابھی تشریف لے آئیں، پیپر دینے کا بھی ٹائم نہیں ہے۔ دراصل ایمرجنسی ہو گئی ہے۔" ڈرائیور کی وضاحت نے انزلہ کے ماتھے پر سوچ کی لکیریں ابھار دیں۔ وہ قطعی سمجھ نہیں پا رہی تھی کیا فیصلہ کرے۔ اس کا اتنا اہم سمسٹر تھا وہ کیسے کینسل کر سکتی تھی کہ ابھی پل اس کے سیل پر دادا سائیں کی کال آنے لگی تھی۔ اسے نا چاہتے ہوئے بھی کال ریسیو کرنی پڑی۔

"السلام علیکم دادا سائیں۔"

"دیکھو لڑکی کیا نام ہے تمہارا۔ ڈرائیور بھیجا ہے میں نے، پہنچتا ہوگا تمہیں لینے، فوری آؤ، سمجھیں؟" ان کا لہجہ بیگانگی اور تلخی سموئے ہوئے تھا۔ وہ ہمیشہ اسے ایسے ہی تحقیر آمیز انداز میں مخاطب کیا کرتے تھے۔ یہ برفیلا تغافل اس کی ذات کے اعتماد کو توڑ کر رکھ جاتا تھا۔

"لیکن دادا سائیں ابھی میرا سمسٹر ـــ"

بکواس بند کرو چھوکری۔ ہمیں انکار کرنے کی جرأت آج تک تمہارے باپ کو نہیں ہوئی، تمہاری یہ ہمت؟ ان کے لہجے میں بلا کا زہریلا پن اور فرعونیت تھی۔ وہ احساس ذلت سے سُن ہو کر رہ گئی۔

"ٹھیک ہے دادا سائیں میں آ رہی ہوں۔"

وہ بے ادب تھی نہ گستاخ، ہاں انا پرست ضرور تھی، مگر یہاں انا کا مظاہرہ کر کے وہ اپنی ماں کی ازلی کردار کشی اور باپ کی تربیت پر حرف نہیں لانا چاہتی تھی، جبھی خون کے گھونٹ پیتی ڈرائیور کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھی۔ واپسی کے سفر میں اس کے ذہن میں جوالہ مکھی پکتا رہا تھا۔ وہ کسی نتیجے پر پہنچنے سے قاصر تھی۔ ڈرائیور کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا مستعد گارڈ عقابی نظروں سے اطراف کا جائزہ لیتا، رائفل کی لبلبی پر یوں انگلی رکھے بیٹھا تھا، جیسے ذرا سا خطرہ محسوس کرتے ہی آگ داغنا شروع کر دے گا۔ صورت حال کے بگاڑ کا اندازہ اسے بھی ہو گیا تھا مگر وجہ سمجھ سے بہر حال قاصر تھی۔ گاڑی اسلام آباد کے شہر اور مضافات کو بھی پیچھے چھوڑ آئی تھی۔ اب تو پکی سڑک کا ساتھ بھی چھوٹ گیا تھا۔ اب پہاڑ کے پہلوؤں کے نیچے بچی تنگ ناہموار اور جگہ جگہ سے گڑھوں سے حزین کچی نما سڑک تھی۔ گاؤں کے پاس چاروں اطراف کھیتوں کا طویل سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ یوں جیسے مکانات کھیتوں کے سرسبز حصار میں مقید ہوں۔ ان کی حویلی گاؤں کے انتہائی سرے پر تھی۔ جس سے آگے نہر کی حد بندی تھی پھر دوسرا گاؤں شروع ہوتا تھا۔ گاڑی حویلی کے بلند پھاٹک کو کراس کر کے پورچ میں جا کر رکی تو اس سفر کا بھی اختتام پذیر ہو گیا۔ دو ملازماؤں نے جو شاید اس کی منتظر تھیں دائیں بائیں سے گھیر کر اسے اپنی معیت میں دوا سائیں کے کمرے میں پہنچا دیا تھا۔ وہاں بھی جیسے اسی کا انتظار ہو رہا تھا۔ دوا سائیں کے علاوہ عذرا خاتون اور اس کے چاچا سائیں دلاور شیرازی موجود تھے۔

"بیٹھ جاؤ لڑکی اور ہماری بات ذرا خاطر جمع کر کے سنتا۔" دوا سائیں کے ازلی سے خشک و ترش انداز نے ہمیشہ کی طرح اب بھی اس کا حلق خشک کر لیا تھا۔ وہ ان کا سامنا کرنے سے اتنی خائف رہا کرتی تھی کہ پپا کے ساتھ مستقل شہر رہائش اختیار کر لی تھی، مگر اس کا معصومانہ اقدام یہاں نفرت و بغض کی بہت بڑی خلیج ڈال گیا تھا۔ حویلی کے ہر چھوٹے بڑے فرد کے ذہن میں یہ بات پختہ تھی کہ وہ صرف آفاق کی چہیتی ہے اور باقی اولادوں کے حقوق پر سانپ بن کر قابض بھی۔ عذرا خاتون کی آنکھوں میں تو اسے سامنے پاتے ہی چنگاریاں پھوٹنے لگتی تھیں۔

"دیکھو لڑکی تمہارے بھائی شاویز سے ساتھ والے دشمن قبیلے کا سپوت بھڑک گیا ہے۔ وہ لوگ تیرے اکلوتے بھائی کی جان کے دشمن بنے خون کے پیاسے پھر رہے ہیں۔ ہمارے پاس بچے کی جان بچانے کا دوسرا متبادل راستہ موجود تھا جبھی ہم نے خود شاویز کو کہیں چھپا دیا ہے اور دشمن پر یہ ظاہر کیا ہے کہ قاتل مفرور ہو چکا ہے۔ اب خون بہا میں قاتل کی بہن کا نکاح مقتول کے بھائی سے ہوگا۔ بستیوں اور قبیلوں میں یہ روایت ازل سے چلی آ رہی ہے۔ عورتیں مرد پر قربان ہوتی رہی ہیں تم کوئی نیا کام نہیں کرو گی۔ آج چھ دن ہو گئے ہیں اس کل کو۔ بڑی مشکل سے یہ معاملہ طے پایا ہے۔ ہم نہیں چاہتے تمہارا انکار اسے ڈبو دے۔ تمہیں ہمت اور حوصلے سے یہ قربانی دینی ہوگی۔"

محض چند فقروں کی کہانی میں اس کی زندگی کا فیصلہ سنا دیا گیا۔ ظلم کی ایک اور داستان رقم ہونے جا رہی تھی۔ دوا سائیں کا خشونت برساتا بے رحم اور کھردرا لب و لہجہ اس کے اعصاب سن کر گیا۔ ایک لمحے کے لیے تو اسے لگا تھا کہ اسے اپنے مصلوب ہونے کا حکم سننے میں غلطی ہوئی ہے۔ یہ بھلا کیسے ہو سکتا تھا۔ یہ سب اس کے اپنے تھے۔ سگے تھے۔ کوئی اس طرح بھی کرتا ہے۔ وحشت اس کے اندر

زخمی پرندے کی طرح پھڑپھڑاتی پھری۔ خوف نے اس کے اندر پنجے گاڑ دیے۔ دوا سائیں حکم صادر کر کے چلے گئے۔ وہ پتھرائی ہوئی بیٹھی رہی تھی۔ یہاں موجود کسی چہرے پر نرمی تھی نہ اپنائیت، اس کے باوجود وہ زندہ درگور ہو جانے کے خوف سے بھی اک اک کے آگے گڑگڑاتی رہی۔

"ایسا مت کریں چاچا سائیں۔ اللہ کا واسطہ ہے۔ میرے پپا کو بلا دیں۔" وہ یہاں کی پیداوار بھلے نہ تھی، مگر روایات کی سفاکیت اور بربریت سے آگاہ ضرور تھی۔ جانتی تھی اگر اس راستے کی بھینٹ چڑھا دی گئی تو پھر موت کو ترستی رہ جائے گی۔ ایسی کتنی ہی زندہ درگور اور دشمنی کی بلی چڑھنے والی لڑکیوں کا انجام وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ اور کانوں سے سن چکی تھی۔ سب سے زیادہ اس کے پپا خلاف تھے ان رسموں اور روایتوں کے، پھر اس کی ماں روایتوں اور اپنی جلاد صفت درندوں کی جھوٹی انا کی بھینٹ چڑھ چکی تھی۔ اپنے انجام نے اس کی روح لرزا دی تھی۔

"اماں آپ سمجھائیں دوا سائیں کو۔ ہم میں بے قصور ہوں۔ بے گناہ ہوں، مجھے۔۔۔" اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ نفرت و انتقام کی آگ میں برسوں سے جلتی عذرا خاتون نے تلملا کر ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے گال پر اس طرح مارا تھا کہ وہ الٹ کر دوسری جانب جا گری۔ وہ چاچا سائیں کی طرح اس کی فریادوں پر چپ کر کے باہر نہیں نکلیں بلکہ اندر دبی نفرت کو آشکار کرنے کا موقع بھی نہیں گنوایا تھا۔

"کسی کتیا کی جنی گھٹیا عورت۔۔۔ تیری اوقات یہی تھی کہ تو اس طرح میرے بیٹے پر وار دی جاتی۔ مجھ اس طرح تیرے اور تیری ماں کے گناہوں کا کچھ کفارہ ادا ہو جائے گا۔ پہلے اس نے میرے حق مارے پھر تو آ گئی میرے بچوں کو ڈسنے۔ اکلوتا بیٹا ہے میرا، میری نسل کا امین۔ اسے بچانے کو تو میں تیرے جیسی لاکھوں بھی پلک جھپکتے میں قربان کرنے سے دریغ نہ کروں۔"

ایسی فرعونیت، ایسی بیگانگی اور نفرت کہ وہ کانپ اٹھی۔ ان کے پیر کی ٹھوکر جو اس کے سر پر لگی تھی، اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرے بھر گئی تھی۔ احتجاج ہو یا پھر دفاع کا انداز، اس کی بہر حال کوئی حد ہوتی ہے۔ انزلہ کے احتجاج یا پھر دفاع کا سرا اس انداز میں کچلا گیا تھا بصد تشدد اور طعن و تشنیع کہ اس نے پھر زبان نہیں کھولی۔ وہ جان گئی تھی اب اس کا اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسے چوبیس گھنٹے ہوئے تھے اس کے کمرے میں بھوکے پیاسے بند ہوئے، جب اس کو دوا سائیں کا پیغام پہنچایا گیا۔ ساتھ میں اس نام نہاد شادی کے کچھ لوازمات بھی ادا کرنے کا کھیل کھیلا گیا تھا۔ سرخ دہکتا ہوا لباس، کچھ زیورات اسے دان کیے گئے تھے۔ اس نے آنکھ اٹھا کر بھی کسی شے کی طرف نہیں دیکھا۔ کسی نے اصرار بھی نہیں کیا تھا کہ یہ ضروری تھا بھی نہیں۔ وہ دو دن سے جس سیاہ لباس میں تھی، اسی میں نکاح پڑھایا گیا اور اسی میں اسے رخصت کیا گیا تھا۔ دو دن پہلے اس پر یہ فرد جرم جس وقت عائد کی گئی، اس سے پہلے اس سے اس کا سیل فون چھین لیا گیا تھا۔ وجہ واضح تھی۔ وہاں کوئی نہیں چاہتا تھا وہ اپنے واحد خیر خواہ اور ہمدرد باپ سے رابطہ کرے۔ اس میں کیا شک تھا کہ وہ اپنی جان پر کھیل کر بھی اسے اس آزمائش سے بچاتے۔ کتنا تڑپی تھی وہ ان چوبیس گھنٹوں میں باپ سے رابطہ کرنے کو۔ آخری لمحہ تک وہ خود کو اس طرح روایات کی بھینٹ چڑھانے سے بچانے کی سعی میں گڑگڑا کر خدا سے التجائیں کرتی رہی تھی، مگر رب کو جانے کیا منظور تھا۔ جبھی ہونی کو کوئی ٹال نہیں سکا اور وہ بالآخر قربان گاہ پر چڑھا دی گئی۔

☆---☆---☆

جس وقت اس کے فیصلے پر سیاہ لکیر پھیری گئی، تب شام کا دھندلکا رات کے اندھیرے میں ڈھل رہا تھا۔ جس وقت اسے ہمیشہ کے لیے حویلی سے نکال کر دشمن کے ہاتھوں میں سونپا گیا، تب رات مکمل طور پر چھا چکی تھی۔ اس کے سر پر کسی نے سیاہ بڑی سی شال ڈال دی تھی۔ جس نے اسے سرتاپا چھپا دیا تھا۔ اک عجیب سی بے حسی اس کے اعصاب پر طاری ہوتی جا رہی تھی۔ احساسات جامد تھے، جبھی اسے سفر کی طوالت کا اندازہ بھی ڈھنگ سے نہیں ہو سکا۔ گاڑی جس قلعہ نما حویلی کے پھاٹک پر رکی، وہ مکینوں کے شاہانہ طرز زندگی کی خود گواہی سر اٹھائے شان سے ایستادہ کھڑی تھی۔ گیٹ سے لے کر پورچ تک ہر جگہ چمکدار روشنیوں میں نہائی ہوئی تھی مگر اک مہیب پُراسرار سناٹا بھی بے حد اہمیت کا حامل تھا۔ جیپ رُکی اور کھٹاک کھٹاک آگے پیچھے آ کر رُکنے والی گاڑیوں کے دروازے کھلنے لگے۔ بھاری مردانہ آوازکی گونج بھی اس کی سماعتوں تک پہنچ رہی تھی۔

"دل باز، اپنی بیوی سے کہو، اس لڑکی کو ہمارے کمرے میں لے جائے۔ ہم ابھی آ کر بات کرتے ہیں۔" ایک نسبتاً بلند اور تحکمانہ آواز اُبھری تھی۔ جس کے جواب میں ذری سی ملازم کی دبی ہوئی آواز میں "جی سرکار! حاضر سرکار" کی بجا آوری تھی، پھر اٹھتے قدموں کی دور ہوتی آواز۔ وہ ساکن منجمد بیٹھی رہی۔

"آؤ دھی رانی۔ اندر آ جاؤ۔ وڈے سائیں کا حکم ہے۔" اس نے کچھ توقف سے اک نسوانی آواز سنی تھی۔ ادھیڑ عمر عورت تھی جو حلیے اور شکل سے ملازمہ نظر آتی تھی۔ انزلہ نے تعمیل کی تھی اور اس کی معیت میں لرزیدہ قدموں سے مختلف راہداریاں اور طویل برآمدے عبور کرتی بالآخر اک منقش بھاری آبنوسی دروازے کے آگے آن ٹھہری۔ ملازمہ نے دروازہ ہولے سے کھٹکھٹا کر پہلے اجازت طلب کی تھی پھر دروازہ دھکیل کر اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا تو انزلہ کا سارا ضبط جیسے جواب دینے لگا تھا۔ جبھی ہتھیلیوں میں نمی اور ٹانگوں میں لرزش اتر آئی۔ سچ معنوں میں یہیں اس کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا۔

"تو بالآخر آفاق شیرازی کی بیٹی یہاں آ گئی۔ آنا تو تمہیں یہیں تھا لڑکی، مگر اب کی بار کا آنا بہت سارے قرض چڑھا گیا ہے۔ تم تو پرانا تاوان ہی بھرنے کی استعداد نہیں رکھتی تھیں مگر ---- خیر۔ تمہارے دادے کی منت سماجت کی لاج رکھ لی۔ وہ احمق سمجھ رہا ہے اس طرح پوتے کو بچا لے گا، خام خیال ہے اس کا۔ یہ تو پرانا بدلہ ہے ---- عورت کا بدلہ عورت۔ ابھی خون کا بدلہ خون باقی ہے، مگر تو قاتل کی بہن کی حیثیت سے یہاں آئی ہے۔ اسی سلوک کی مستحق ہے ناں ---- بیٹا مرا ہے میرا۔ یہاں شگاف ڈالا گیا ہے یہاں۔"

اس اونچے گرانڈیل مرد نے اپنے سینے پر ہاتھ مارے۔ انزلہ دھیرے دھیرے کانپتی سر جھکائے کھڑی رہی۔

"سنو لڑکی! تمہارا رہنا سہنا کھانا پینا ملازموں کے ساتھ ہوگا۔ کام بھی ویسے ہی کرو گی۔ آج سے اپنے پچھلوں کو بھول جاؤ۔ ہمیں اور کچھ نہیں کہنا تم سے۔ جس دن تمہارے بھائی کی لاش گرائیں گے تو دیں گے تمہیں۔ ماتم کرنے میں آسانی رہے گی۔" انہوں نے حقارت سے کہا اور ہاتھ کے اشارے سے ملازم کو جانے کا کہہ دیا۔ انزلہ ملازمہ سے پہلے باہر نکلی تھی۔

☆---☆---☆

"پلیز اماں جان، پلیز سنبھالیں خود کو، اس طرح مت روئیں۔" سیال درانی ماں کو سنبھالتا خود

بہت ہارنے لگا تھا۔ وہ جو اتنے مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ پچھلے ایک ہفتے سے شدید ذہنی و جسمانی کرب سے دوچار ہو کر سارا اسٹیمنا کھو بیٹھا تھا۔ اس روز وہ آفس میں تھا۔ جب اس کے پرسنل سیل پر امجد کی کال آئی تھی۔

"بھائی جان آپ فوری حویلی پہنچیں۔" اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ سیال درانی کے اعصاب الرٹ ہو کر رہ گئے۔

"سب خیریت ہے نا امجد؟" وہ کسی قدر فکرمند ہو کر سوال کر رہا تھا۔ جواب میں دوسری جانب امجد ہزار ضبط کے باوجود رو سا پڑا تھا۔

"خیریت نہیں ہے بھائی جان۔ شیرازی قبیلے سے پانی کے جھگڑے پر اس دفعہ صرف ملازم کام نہیں آئے۔ گولیاں چلیں تو افغان بھی چل بسا ہے۔ اماں تو صدمے سے پاگل ہو رہی ہیں۔" اور سیال کو لگا تھا جیسے زمین تو اس کے قدموں سے نکلی ہی ہے سر پر بھی آسمان ٹوٹ پڑا ہے۔ جھٹکا اتنا شدید تھا کہ وہ کسی طرح بھی بیٹھا نہیں رہ سکا۔ امجد نے فون کاٹ دیا تھا۔ وہ جیسے اڑ کر گاؤں پہنچا تو افغان کی میت حویلی لائی جا چکی تھی۔ اک قیامت تھی جو ٹوٹ پڑی تھی۔ تفصیلات معلوم ہونے پر پتا چلا تھا، گولی جو افغان کو لگی تھی، وہ آفاق شیرازی کے بیٹے نے ماری تھی۔ اک الاؤ تھا جو اس کے وجود میں بھڑکتا چلا گیا تھا۔ ابھی تو پہلی آگ نہیں بجھی تھی۔ وہ آگ جو آفاق شیرازی کی بیٹی کا اس کے لیے رشتہ مانگنے پر انکار کی صورت اس کے اندر لگی تھی۔ حالانکہ اسے بھلا اس ان دیکھی لڑکی میں کیا دلچسپی ہو سکتی تھی مگر یہ بھی جاگیرداری نظام میں پگڑی کو بلند رکھنے اور ناک اونچی رکھنے کے طریقے ہوتے ہیں۔ انتقام کی پرانی سے پرانی آگ بجھانے کو دشمن قبیلوں کی عزت (عورت) کو رگیدا اور روندا جاتا ہے۔ اس سے طاقت اور غرور کو تقویت ملتی ہے۔ وہ عادات و مزاج میں ہو بہو باپ کا عکس تھا۔ اسی بدولت اسے احسان درانی بیٹوں میں سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ پولیس میں اعلیٰ عہدہ سنبھالنے کے بعد اس نے جس طرح اس اثر و رسوخ کا جائز و ناجائز فائدہ اٹھایا تھا۔ اس نے ان کا دل باغ بہار کر ڈالا تھا۔ اس لیے انہوں نے آفاق شیرازی کو نیچا دکھانے کے لیے سیال کا انتخاب کیا تھا، مگر تمام تر مکاری کے باوجود وہاں سے ہونے والے انکار نے انہیں تلخ پا کر دیا تھا۔ کتنا تلملائے تھے وہ بیٹے کے آگے، جس نے محض انا کی سربلندی کی خاطر ناک چڑھا کر بات کو جھٹک دیا تھا۔

"آپ اتنا سر پر کیوں سوار کر رہے ہیں بابا جان۔ مجھے اس لڑکی کا اچار تھوڑی ڈالنا تھا۔ ہے وہ اس قابل کہ میری بیوی کا درجہ پائے؟" اس کے ناز و غرور کا بھی کوئی انت نہیں تھا۔ احسان درانی نے سمجھدار، لائق فائق اور شاطر بیٹے کو اس پل ناراضی سے دیکھا تھا۔

"بات یہ نہیں ہے۔ کیا مجھے تمہیں سمجھانا پڑے گا؟" وہ کتنا جھنجلا گئے تھے۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ کل اس لڑکی کو اٹھوا لیتا ہوں۔ بابا جان وہ لڑکی چاہیے نا آپ کو؟" کس درجہ زعم تھا اس کے لہجے میں اپنی طاقت کا، اپنی اپروچ کا۔

"نہیں۔" وہ معمولی لڑکی بہرحال نہیں ہے۔ خون کی ندیاں نہیں بہانی مجھے اک لڑکی کی خاطر۔ لعنت بھیجو، بھول جاؤ اسے۔ اسی میں بہتری ہے۔" وہ برسوں قبل آفاق شیرازی سے ٹکر لے چکے تھے۔ اس کی طاقت کا بھی اندازہ تھا۔ جبھی جوان بیٹوں کو بہرحال کھونے پر آمادہ نہیں تھے، یہ بات وہاں اب گئی تھی۔ کون جانتا تھا چند دنوں بعد پھر یہ معاملہ اٹھ

کھڑا ہوگا۔ جب انعام کے خون بہا میں آفاق کے باپ نے آفاق کی بیٹی دینے کا خود اپنے منہ سے کہا تو احسان درانی ششدر ہوئے بغیر نہیں رہے تھے۔ یہ معاملہ اس طرح وہ کبھی طے نہ کرتے اگر جو برسوں قبل کی خلش کسک نہ دیتی ہوتی۔ وہ سمجھتے تھے انتقام کی آگ پوری نہیں بجھی تھی۔ وہ صرف آفاق کی نہیں نازنین کی بھی بیٹی تھی۔ نازنین جوان کی چھوٹی بہن تھی اور ان کی بگڑی اور ناک بیٹی کرنے کا باعث بنی تھی۔ یوں انہوں نے مصلحتاً اس معاملے کو اس طرح نپٹنے دیا تھا ان کے دل میں کیا چل رہا تھا، اس سے سیال بھی آگاہ نہیں تھا۔ جبھی اس کے دل و دماغ میں شدید نفرت اور انتشار تھا۔

"آپ کو اللہ کا واسطہ ہے اماں جان اس طرح نہ روئیں۔ یہ آنسو برداشت نہیں ہو رہے مجھ سے۔" وہ ان کے سامنے گھٹنوں کے بل جھکا بیٹھا تھا۔ بے خواب لہو رنگ آنکھوں میں جوان بھائی کی خون آلود لاش کا عکس جیسے ٹھہر گیا تھا۔

"میں معاف نہیں کر سکتی۔ بھائی بھاگ گیا تھا، مگر بہن تو زندہ ہے۔ اسے گولی مار دو، پھر ٹھنڈک پڑے گی میرے کلیجے میں۔" وہ دونوں ہاتھوں سے کبھی سینہ کوبی کرتی تھیں کبھی اپنے ہی بال نوچنے لگتیں۔ ان کی حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی۔ سیال نے ڈاکٹر کو بلوایا تھا، جوان دنوں حویلی میں ہی قیام پذیر تھا کہ پچھلے آٹھ دنوں سے اماں جان کی طبیعت بار بار بگڑتی تھی۔ ڈاکٹر نے سکون آور انجکشن لگایا، تب وہ بے سدھ ہو گئی تھیں۔

سیال نے رنج بھری نظروں سے ان کا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اپنے ہاتھ سے صاف کیا، پھر ان کے بال پیار سے سمیٹ کر کمبل درست کرتا پلٹ کر باہر نکل آیا۔

"رکھی۔" اس نے راہداری کا موڑ مڑتی ملازمہ کو پکارا۔

"جی سائیں حکم!" رکھی گرتی پڑتی خدمت میں حاضر ہوگئی کہ احسان کے بعد ملازم کا اس کے غصے سے سب سے زیادہ خائف رہتے تھے۔

"محترمہ کا ٹھکانا کہاں ہے؟" اس کا سوال انزلہ کے متعلق تھا۔ لہجہ زہر میں بجھا ہوا تھا۔ اسی سمت آتے احسان درانی اس ایک سوال پر جھٹکے تھے۔

"اماں جان کا خیال رکھنا۔" وہ بات مکمل کر کے آگے بڑھنے کو تھا کہ باپ کو دیکھ کر تھم گیا۔

"سنبھلی کچھ تمہاری ماں کی طبیعت۔ ڈاکٹر کو بلوایا تھا نا تم نے؟"

"جی بابا جان۔ مجبوراً بے ہوشی کا انجکشن لگانا پڑا۔" وہ طول نظر آ رہا تھا۔

"اس عمر میں جوان بیٹے کا جنازہ اٹھوانا دل گردے کا کام ہے۔ خیر اللہ صبر عطا فرمانے والا ہے۔ تم کہاں جا رہے ہو؟" انہوں نے آخری فقرہ ادا کرتے خوبرو و شاندار بیٹے کا چہرہ خصوصیت سے دیکھا، جانچا اور پرکھا، گویا اس کے اندر اتر کر بھید پا لینے کے متمنی ہوں۔

"اسے اس کی اوقات یاد دلانے اور کچھ حساب بے باق کرنے۔" اس کی سوچ میں چھپی نفرت و بربریت آنکھوں اور لہجے میں در آئی۔

"اک بات یاد رکھنا سیال پتر۔ یہ نکاح اس رسم کی مجبوری ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔" انہوں نے خصوصی طور پر جتلایا تو وجہ یہی تھی کہ لڑکی کا جاہ و حسن انہیں کسی بھی خطرناک اندیشے میں مبتلا کر چکا تھا۔ وہ جہاں دیدہ تھے۔ جانتے تھے زر، زن اور زمین ہی ہمیشہ فساد کا باعث رہی ہے، پھر حسین عورت تو شیطان کا فتنہ ہوتی ہے گویا۔ سیال درانی نے چونک کر ٹھٹک کر باپ کی شکل دیکھی اور مقصد سمجھ کر حقارت بھرے تاثرات اس کے چہرے پر نمایاں

آئے۔

"میرا معیار اتنا پست نہیں ہے بابا جان۔" اس کے لہجے میں جنگ و تضحیک کو محسوس کر لینے کے بعد انہیں مطمئن ہو جانا چاہیے تھا مگر وہ مطمئن نہیں تھے۔ البتہ خاموشی بہتر بھی تھی۔

☆—☆—☆

ملازمہ اسے جس اجاڑ و ویران حصے میں بنے کمرے میں پہنچا کر گئی تھی، وہ شاید حویلی کا غیر آباد علاقہ تھا۔ وسیع و عریض میدان کی لمبی گھاس میں جتنا زہریلے جانور سرسراتے پھرتے تھے۔ بلند و بالا دیوہیکل درختوں میں ہوا شائیں شائیں کرتی گزرتی تو اس ماحول کی ہیبت ناکی میں مزید اضافہ ہو جاتا۔ اس وسیع قطعۂ ارض کے آخری سرے پر ایک نیم پختہ عمارت تھی۔ مختصر برآمدہ اور اس کے پیچھے موجود کمرا جس کا سال خوردہ لکڑی کا دروازہ بند تھا اور سرے پر ایک زنجیر چوکھٹ کے قبضے میں فٹ تھی، جس میں پرانا زنگ آلود تالا لٹک رہا تھا۔ ملازمہ جس کا نام غالباً رکھی تھا، نے چابی کے گچھے سے طبع آزمائی کر کے تالا کھولا پھر کواڑ دھکیل دیے تھے۔ بند کمرے کی مخصوص سیلن اور بساند نے چوکھٹ سے اس کا استقبال کیا تھا۔ رکھی نے آگے بڑھ کر سوئچ بورڈ ٹٹول کر پرانا بلب ٹچ کی آواز سے جلایا تو کمرے کی کسمپرسی کے خدوخال واضح ہوتے چلے گئے۔ زرد روشنی میں دیواروں کا اکھڑا پلستر اور چھت کے لٹکے جالے سب سے نمایاں تھے۔ جھڑتے ہوئے کمر کی چھوٹی ڈھیریاں جابجا فرش پر موجود تھیں۔ عرصہ دراز سے صفائی نہ ہونے کے باعث فرش پر گرد کی کئی تہیں جم چکی تھیں۔ درمیانے سائز کے کمرے میں اک جھلنگا چارپائی پر فقیر کی گدڑی جیسا بستر جو اتنا میلا تھا کہ اس سے مرے ہوئے کتوں کی بساند وہ اتنے فاصلے سے بھی محسوس کر کے دل الٹنا پانے لگی تھی۔

"تجھ سے ہمدردی کا کوئی حکم نہیں ہے دھی رانی، پر تو انسان ہے۔ جانتی ہوں بے گناہ ہے تو مگر میں بے بس ہوں، مدد نہیں کر سکتی تیری۔ مالکوں کو معلوم پڑا تو کھال میں بھس بھروا دیں گے۔" وہ جو خود پر اپنے تئیں بے حسی طاری کر چکی تھی، اس انجام کو دیکھتی وحشت و خوف کے حصار میں گھرنے لگی۔

"کیا مجھے یہاں اکیلا رہنا ہوگا؟" وہ بولی تو اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی کا احساس غالب تھا۔ یہ اجاڑ سنسان کمرا، یہ جان لیوا تنہائی اور بے بسی کی انتہائی کیفیت، فضا میں سرسراتی عجیب سی آوازیں اور سیلن زدہ فرش پر رینگتے مختلف حشرات الارض کی اقسام شامل تھیں۔ اکھڑے پلستروں والی دیوار بلب کی بیمار زرد روشنی میں ڈراؤنے نقوش ابھار رہی تھیں، اس پر سردی کا رگوں میں خون جماتا احساس۔

"ہاں دھی رانی۔ یہی حکم ہے مالکوں کا۔" رکھی کا اپنا دل گداز ہو رہا تھا، وہ بڑی مشکل سے اپنے آنسو روک رہی تھی۔ حوروں جیسا تقدس اور حسن رکھنے والی اتنی پیاری لڑکی پر یہ کیسی افتاد آ پڑی تھی۔ ایسا نصیب تو رب سوہنا دشمن کی بیٹی کا بھی نہ لکھے۔ اقرار کیا ہوا تھا انزلہ کا تو جیسے دل دھک سے رہ گیا۔ سراسیمہ سی ہو کر بے اختیار رکھی کے قریب آ کر اس سے چپک گئی۔

"نہیں، نہیں۔ فار گاڈ سیک۔ مجھے یہاں تنہا مت چھوڑنا۔ مر جاؤں گی میں خوف سے۔" وہ سسک کر جس پل التجا کر رہی تھی، عین اسی لمحے دہلیز پر سیال کے بھاری قدم آ کر رکے تھے۔ رکھی کی تو جیسے اسے دیکھ کر گھگھی بندھ گئی۔

(اس خوبصورت ناولٹ کی دوسری اور آخری قسط انشاء اللہ ماہ جنوری میں ملاحظہ فرمائیں)

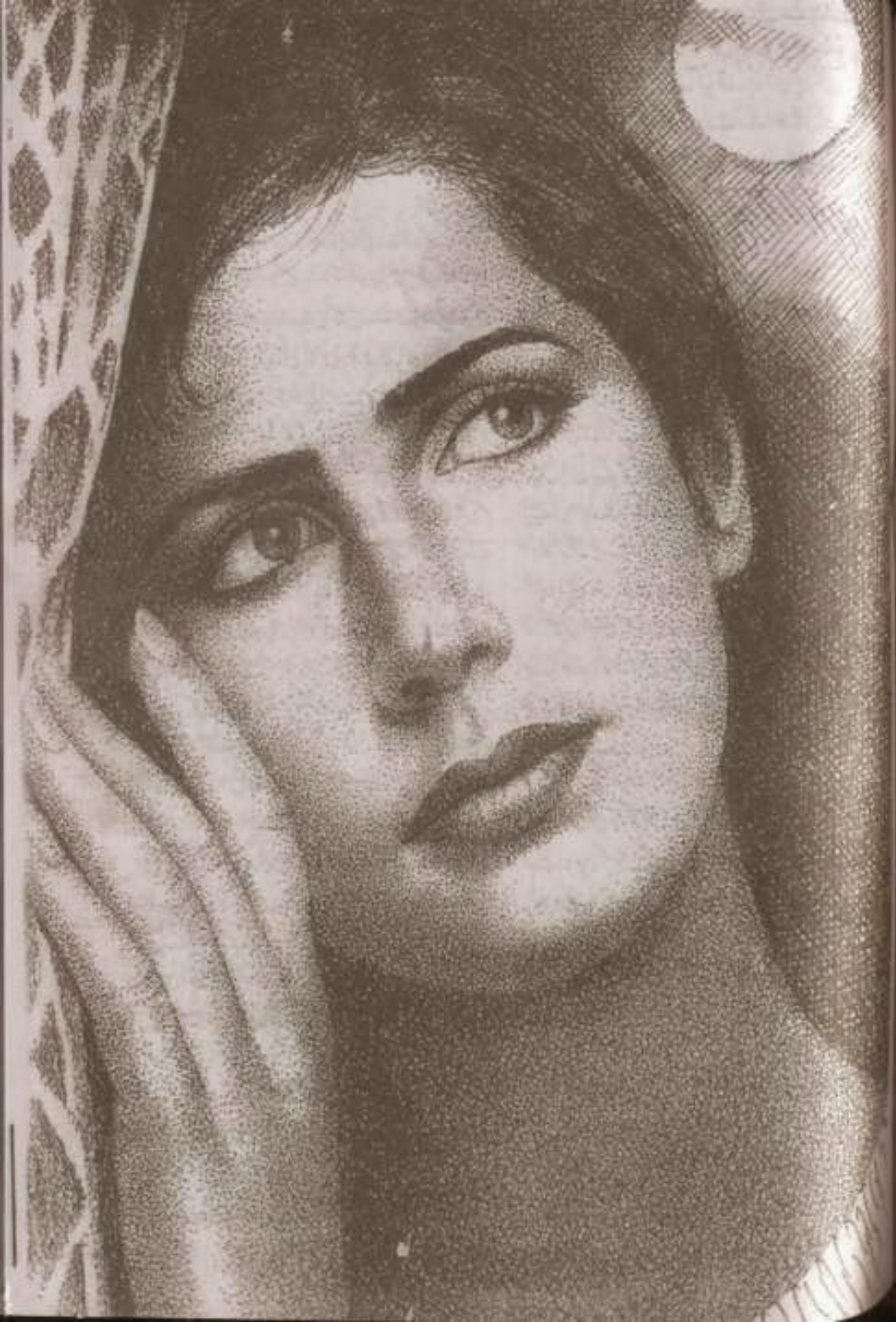

مکمل ناول

اُمِ مریم

اگر وہ مہرباں ہوتا

آفاق شیرازی کی نگاہ جیسے ہی اس پر پڑی وہ پہلے تو اسے پہچان نہیں سکے، مگر جب پہچانا تو غم و غصے اور صدمے سے گنگ رہ گئے تھے۔ ''یہ کیا حال بنالیا ہے انزلہ بیٹے۔'' وہ جیسے رو پڑے تھے۔ ''آپ یہاں کیوں آئے ہیں پپا؟'' اس نے دل پر پتھر رکھ کر.....

معاشرے کی شدت پسندی سے وجود میں آنے والی جان لیوا کتھا کا دوسرا اور آخری حصہ

''تم جاؤ رکھی یہاں سے۔'' اس کے لہجے میں غضب کا قہر اور تلخی رچی بسی تھی۔ رکھی تو سر پر پیر رکھ کے بھاگی اور اس کی اوٹ میں تقریباً چھپی انزلہ کمرے میں اس کے رحم و کرم پر تنہا رہ گئی۔ اس نے خائف انداز میں نظر اٹھائی تھی اسی پل سیال درانی نے بھی اسے دیکھا تھا۔ اک بجلی سی دونوں جانب لپکی۔ دونوں ہی جیسے یوں غیر متوقع طور پر ایک دوسرے کو روبرو پا کر ششدر اور غیر یقین رہ گئے تھے۔ یہ جھٹکا بہت شدید تھا۔ سیال تو جلد سنبھل گیا کہ اس پل وہ انتقام اور نفرت کی جس آگ میں جھلس رہا تھا اس میں ہر احساس ہر جذبہ سفاکی و بربریت کی آگ میں جل بجھا تھا جب کہ انزلہ کی کیفیت اس سے یکسر الگ تھی۔ نکاح کے وقت سیال درانی کا نام اس نے ضرور سنا تھا مگر حواس قابو میں کہاں تھے لیکن اب اسے روبرو پا کر فطری طور پر قدرے ڈھارس ملی تھی۔

''آ آپ..... ایس پی سیال درانی۔'' سرعت سے درمیانی فاصلہ سمیٹ کر، وہ کس جذبے کے تحت کس امید میں اس تک آئی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی، مگر اس کے آگے جو ہوا وہ اس کی توقع اور سوچ کے بالکل برعکس تھا۔ چٹاخ کی زوردار آواز کے ساتھ ایسا زناٹے کا تھپڑ اس کے چہرے پر پڑا تھا جس کی آواز اس سناٹے میں بہت واضح طور پر ابھری تھی اور انزلہ الٹ کر کئی فٹ دور جا کر گری۔

''ہاؤ ڈیئر یو۔ تمہیں جرأت کیسے ہوئی۔ میرا نام اپنی ناپاک زبان پر لانے کی۔ بدکردار عورت کی بدچلن بیٹی؟ قاتل کی بہن ہو تم۔ خوں بہا میں آئی ہو۔ تمہاری حیثیت تو یہاں کے ملازموں سے بھی بدتر درجے کی ہے۔'' وہ حلق کے بل غراتا ہوا کہہ رہا تھا۔

انزلہ کے حواس اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔ گال جیسے سنسنا رہا تھا بلکہ اسے تو لگ رہا تھا متاثرہ جگہ سے کھال اُدھڑ گئی ہو۔ پولیس والے کا بھرپور وزنی ہاتھ جمے جمے کئے عادی مجرموں کا پتا پانی کر دیتا ہے اور وہ تو اک کمزور دل نازک سی لڑکی تھی۔

سیال نے کچھ دیر اس کے اٹھنے کا انتظار کیا تھا، پھر قدم بڑھا کر اس کے قریب آ کر جھکا اور اسے بالوں سے پکڑ کر جارحیت بھرے انداز میں اٹھا کر کھڑا کر دیا۔ انزلہ کی آنکھیں خوف سے پھٹ گئی تھیں اور جسم خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپا تھا۔

"کہاں ہے وہ تمہارا سور ما بھائی۔ بتاؤ مجھے۔" اس کی سانسیں پھنکار زدہ تھیں اور آنکھوں میں قہر و غضب کے ساتھ نفرت کی چنگاریاں تھیں۔ انزلہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑنے لگی۔ اس وقت کیسا ہو رہا تھا وہ۔ خونی موڈ، آتشیں انداز اور قیامت خیز لہجہ، وہ اور شدت سے کانپنے لگی اور بے قراری سے رو دی۔ زبان جیسے تالو سے چپکی تھی۔

"بولو..... جواب دو..... ورنہ آگ لگا کر بھسم کر دوں گا تمہیں۔" اس کی گرفت کا شکنجہ سخت اور بے رحم تھا۔ انزلہ کو لگا وہ اگر مزید اک لمحہ بھی اس کی گرفت میں رہی تو خوف اور اس عفریت کی دہشت سے اس کا دل بند ہو جائے گا۔

"مجھے نہیں پتا....." وہ بے ساختہ گڑگڑائی، مگر سیال کا اشتعال بے قابو ہو گیا تھا۔ ایک بار پھر اس کا ہاتھ گھوما اور اس کا دوسرا گال بھی دہک کر سرخ ہوتا چلا گیا۔

"بکواس کرتی ہو تم۔ جھوٹ بولتی ہو۔ مگر کب تک۔ میں تو گونگوں کو بھی بلوا سکتا ہوں۔ پناہ مانگو گی میرے غضب سے۔" اس کی نظروں سے دہکتا آتش فشاں انزلہ کو بھسم کرنے کے درپے تھا۔ اگلے لمحے وہ اپنا کہا سچ ثابت کر چکا تھا۔ بیلٹ کی بیلٹ کھینچ کر اس نے کوڑے کی طرح لہرا کر اس کے وجود کو نشانہ بنایا تھا۔ شائیں کی زوردار آواز کے ساتھ بیلٹ لہرا کر اس کے جسم کے جس حصے پر پڑا وہاں سے درد کی آگ نے اٹھ کر پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ایک کرب ناک اور دل خراش چیخ اس کے حلق سے نکلی اگلے لمحے وہ ٹوٹی شاخ کی مانند تڑپ کر اس طرح گری کے آدھا دھڑ چارپائی سے نیچے لٹک گیا تھا۔ وہ اسی پوزیشن میں ماہی بے آب کی مانند تڑپتی رہنے کے بعد پھر سے نیچے جا گری تھی۔ سیال نے کھا جانے والی غضب ناک نظروں سے اسے دیکھا۔

"بند کرو یہ ڈرامے بازی۔ جو پوچھا ہے وہ بتاؤ۔" اس نے آگے بڑھ کر اپنا وزنی بوٹ اس کے کاندھے پر اس طرح رکھا کہ اس کی گردن بھی گرفت سے بچ نہیں سکی تھی۔ "گویا اس نے اس کی تڑپ اور کسمساہٹ روکنے کی سعی کی۔ انزلہ کو لگا تھا وہ عفریت اس لمحے اس کی جان لے کر ٹلے گا۔ اتنی کسمپرسی کی الم ناک موت کا خیال اس کے ہر روئیں سے بے بسی کے ساتھ خوف کو پسینے کی صورت اگلنے لگا۔ وہ شدت کرب سے آنکھیں موند کر کلمہ طیبہ کا ورد کرنے لگی۔ معاً اس نے موت کا یہ شکنجہ اپنی شہ رگ سے ہٹتا محسوس کر کے بے اختیار آنکھیں کھولی تھیں۔ وہ ہونٹ بھینچے پلٹ کر کمرے سے جا رہا تھا۔ انزلہ کو اس جان بخشی کا جیسے یقین نہیں آ سکا تھا۔ پھر جانے کیا ہوا وہ ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپے بلک بلک کر روتی چلی گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

اس کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو بے پناہ اذیت سے دوچار محسوس کیا تھا۔ تکلیف کا یہ احساس بے حد شدید تھا۔ اتنا شدید کہ اس کا مفلوج ہو جانے والا ذہن اس کا اصل مقام کھوجنے سے قاصر رہا تھا، پھر غنودگی اور ہوش مندی کے کتنے وقفے اس پر گزرے تھے۔ متعدد بار اس نے رکھی کو اپنے آس پاس محسوس کیا تھا۔ اس کی شدید خواہش تھی وہ جاگ نہ ہو سکے، مگر ہر خواہش پوری ہونے کو دل میں جگہ نہیں پاتی۔ دھیرے دھیرے کئی گھر اس کے حواس قرار پکڑتے گئے۔

"اتنی تپ تھی پتر کہ گویا تندور بھڑکتا تھا۔ اس قدر ٹھنڈ میں مجھے برف کی پٹیاں کرنا پڑیں تیرے ماتھے پر

ام مریم

"رائٹرز بنائے نہیں جاتے بلکہ پیدائشی ہوتے ہیں۔" یہ بات ام مریم پر صادق آتی ہے۔ مریم کے فن کی ابتداء کو بہت زیادہ عرصہ نہیں گزرا مگر مریم نے آغاز سفر ہی میں اتنی شاندار کامیابیاں حاصل کر لی ہیں کہ بلاشبہ مریم کو آنے والے وقت کا بہت بڑا نام کہا جا سکتا ہے۔ آج کی تازہ کار قلم کار ام مریم کی صورت ہماری نسل نو کی مضبوط اساس کا یقین پختہ ہو جاتا ہے۔ مریم کی ہر آنے والی نئی تحریر اس بات کا تین ثبوت ہوتی ہے۔

خوشی ایسی ٹوٹی جو کھل کر نہ دیتی تھی۔ پورے دن خود سے بیگانی رہی ہے تُو۔ اللہ سائیں نے زندگی لکھی ہوئی تھی جو بچ گئی۔ نہ دوا نہ دارو۔ رب سوہنا معاف کرے۔ مالکوں کے سینوں میں اینٹ روڑے پڑے ہیں دل کی جگہ۔" وہ دبی دبی آواز میں غصہ ظاہر کرتی تھی۔ نقاہت زدہ جسم اور خوابیدہ غم آلود ذہن کے ساتھ اس کی بڑبڑاہٹیں سنتی رہتی۔

"لے دھی رانی! کھا لے کچھ۔ پیٹ میں کچھ جائے گا تو اٹھ کر بیٹھنے جوگی ہو گی۔ کھا میرا پتر۔" وہ اس کا سر اپنے زانو پر رکھے زبردستی دلیہ اس کے منہ میں ڈالتی جاتی۔

جس دن وہ اس قابل ہوئی کہ اپنی ٹانگوں پر چل کر واش روم جا سکی، اسی دن اس کا حویلی سے بلاوا آ گیا تھا۔

"کس نے بلایا ہے ماسی؟ کیوں؟" ہراس اس کی آنکھوں میں ہی نہیں جسم پر بھی لرزے کی صورت طاری ہو گیا تھا۔ اس میں تاب نہ تھی کہ مزید یہ وحشیانہ سلوک سہہ سکتی۔

"ڈر نہ پتر۔ اب تو کام کی غرض سے بلوایا ہے۔" رکھی نے اس کی کیفیت کو سمجھ کر ڈھارس بندھائی اور یہ غلط بھی نہیں تھا۔ اسے اس کی اوقات یاد دلانے کو کام سونپا گیا تھا۔ کچن کا کام، ملازماؤں کی موجودگی کے باوجود، حویلی کی صفائی سے لے کر باغ کی دیکھ بھال، کپڑوں کی دھلائی وغیرہ، ہر کام کے لیے الگ ملازمائیں تھیں، مگر انزلہ کے حصے میں یہ سارے کام آئے تھے۔ اسے کپڑے بھی دھونے تھے، صفائی بھی کرنی تھی، باغ بانی بھی اور کچن بھی سنبھالنا تھا، گویا صحیح معنوں میں اس کے ضبط اور صبر کا امتحان لیا جانا تھا۔ سیال درانی واپس جا چکا تھا۔ یہ اطلاع اس کے لیے بے انت سکون کا باعث بنی تھی۔ وہ اس کی سفاکی و حیوانیت سے اتنی ہی خوف زدہ ہو چکی تھی۔

کام کے پہلے دن سب خیریت گزری۔ مالکوں کی نظروں میں حقارت ضرور تھی مگر کسی نے زبانی نشتر زنی کے علاوہ اس کے وجود کو تختۂ مشق بنانے کی کوشش نہیں کی تھی، مگر رات اس کے اعصاب پر خوف و ہراس لے کر آتی تھی۔ اس آسیب زدہ تاریکی اور سناٹے میں اس کا دل بند ہوا جاتا تھا۔ اس نے رکھی سے التجا بھی کی تھی۔

"ماسی تُو رات رُک جا میرے پاس۔" اور جواب میں رکھی بے بسی کے اظہار کے طور پر آنکھیں بھگو لائی۔

"مجھے معاف کر دینا دھی رانی۔ مالکوں کی طرف سے اجازت نہیں ہے۔ اجو کو میری نگرانی پر مامور کیا ہے بڑی مالکن نے۔ وہ میری چمڑی ادھیڑ دے گی اس نافرمانی پر۔" رکھی کے جواب نے انزلہ پر واضح کیا، یہ تنہائی بھی اس کے لیے تخفیف کردہ سزاؤں میں سے اک کڑی سزا ہے۔ وہ لرزیدہ وجود اور دل کے ساتھ بے

کسی کے عالم میں آ کر اس جھلنگا چارپائی پر لیٹ گئی تو بے بسی کے مظہر آنسو کنپٹیاں بھگوتے چلے گئے۔ وہ خود کو بار بار یہ یقین دلاتی تھی کہ وہ خوف زدہ نہیں ہے۔ اسے اس آسیب زدہ تاریکی اور سناٹے سے خوف محسوس نہیں ہو رہا۔ اس حویلی کے ساتھ شروع ہو جانے والا قبرستان اس کے اندر ہیجان زدہ خوف اتار رہا تھا۔ اسی لمحے گیدڑوں کی تیز آوبکا اور چیخ پکار نے اسے لرزا کر خوف سے سمٹ جانے پر مجبور کیا تھا۔ اور یہی وہ بے بسی لاچاری کا وقت تھا جب سراسیمگی کی انتہا پر پہنچ کر اس کے دھڑکتے دل نے خواہش کی تھی..... کاش اس وقت کوئی آ جائے۔ خواہ وہ آنے والا سفاکی و درندگی میں اپنا ثانی نہ رکھنے والا سیال درانی ہی کیوں نہ ہو، مگر اس کی دیگر خواہشوں کی طرح یہ خواہش بھی ناکام حسرت میں بدل گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

پھر کتنے بہت سارے دن بیت گئے تھے۔ وہ ہر چیز کے ساتھ اس ہولناک تنہائی کی بھی عادی ہوتی جا رہی تھی۔ اس روز بھی ابھی سورج نکلنے میں دیر تھی کہ وہ اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔ ہلکا ہلکا سرمئی اندھیرا کائنات کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ اس نے ٹھنڈ کی پروا نہ کرتے ہوئے طویل سانس کھینچ کر فضا میں موجود سبزے کی خالص قدرتی مہک، کچی مٹی کی سوندھی خوشبو، گائے بھینسوں کی مخصوص دیہاتی بساند اور لکڑیوں کے سلگنے کی زندگی بخش باس کو محسوس کیا تھا۔

دیہاتی صبح خیز ہوتے ہیں۔ طلوع آفتاب سے پہلے چولہے جل اٹھتے ہیں اور ناشتے کی تیاری شروع ہو جاتی ہے۔ ماحول میں چہل پہل کا احساس تھا۔ رات کی مخصوص بھید بھری خوف ناک سہمی ہوئی فضا کا سحر ٹوٹ چکا تھا۔ اس کے لیے یہی احساس سب سے زیادہ آسودگی کا باعث تھا۔ سورج کی شرمیلی کرنوں کا پردہ چاک ہونے کا منظر دیکھنے کے بعد وہ حویلی کی جانب چلی آئی۔

"بات سن ری۔" وہ اپنے دھیان میں تھی۔ بڑی اماں کی پھنکارتی، ہتک زدہ آواز پر ٹھٹکی۔ وہ اسے ایسے ہی پکارتی تھیں۔ جوان بیٹے کی مرگ نے کمر توڑ دی تھی مگر اکڑ قائم تھی۔

"جی!!" وہ ان کے سامنے سر اور نظریں جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ اب وہ ان کے آگے سر اٹھانے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی۔ پہلی بار جب انہوں نے اسے بلایا تھا۔ یہ کچھ دن پہلے کی بات تھی وہ ان کے سامنے جا کر انہیں سوالیہ نظروں سے تکنے لگی تھی۔ اس بات کو انہوں نے گستاخی سمجھ لیا تھا اور غصے میں جنونی ہوتے اسے لاتوں، ٹھڈوں اور گھونسوں پر رکھ لیا تھا۔ وہ بار بار چلاتے ہوئے اسے یاد دلانے کی کوشش کرتی رہی تھیں کہ اس کی حیثیت کیا ہے۔ وہ تو ان کی چیخ پکار سن کر وہاں اچانک آ جانے والے اسجد نے انہیں پکڑ کر بہ مشکل قابو کیا تھا اور اس کی جان اس عذاب سے چھڑائی تھی۔

"بہتر ہوگا آپ ان کے سامنے آنے سے احتیاط برتا کرو۔ اماں کا بھی کوئی قصور نہیں ہے۔ حالات ہی سارے آپ کے خلاف جا رہے ہیں۔" وہ متاسف تھا، شاید اس کا ہمدرد بھی۔ انزلہ کچھ نہیں بولی تھی۔

"یہ کچھ کپڑے ہیں، پہن لیا کرنا، بے شرم۔ جوان مرد ہیں یہاں سب، پھٹے ہوئے کپڑے پہنے پھرتی ہے۔ آج کل کی لڑکیوں کے دیدوں کی حیا مر گئی ہے۔" وہ بڑبڑا رہی تھیں۔ سخت کوفت زدہ اور بے زار، مگر فیاضی دکھائی بھی تو پرانے کپڑوں کی، ان کی بات غلط نہیں تھی۔ اس کا وہ بلیک سوٹ سوتی تھا جو کثرت استعمال کے باعث گھس کر کہنیوں اور گھٹنوں کے پاس سے سوراخ کی صورت دھجیاں اڑا چکا تھا، مگر وہ کس سے کہتی۔ ان سے جو بنا غلطی، بنا قصور بھی اسے دھنک کر رکھ دیتے تھے۔ اس نے کچھ کہے بنا وہ گٹھڑی سنبھالی اور الٹے قدموں مڑی تھی تو بھی ان کا اشارہ پا کر ہی

اٹھائے بغیر۔ جبھی اسے سائیڈ صوفے پر بیٹھا سیال درانی بھی نظر نہیں آ سکا تھا۔

"دیکھا، کیسے طلسم توڑ دیا ہے میں نے۔ کر سکتے ہو یقین کہ یہ کسی اونچے شملے والے کی دھی ہے؟" وہ ٹھٹھا لگا کر ہنسی تھیں۔ سیال درانی بہ مشکل مسکرا سکا۔ ایک عجیب دل جکڑتا احساس تھا جس نے اسے مغلوب کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہ لڑکی جو ابھی یہاں سے گئی تھی اس پر انزلہ کا محض گمان ہی کیا جا سکتا تھا۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ بنتا جسم، پیلا پھٹک رنگ، اور بے رونق چہرہ، یہ وہ سرخ و سفید دل کش و حسین لڑکی کہاں تھی، جس کی تمکنت اور نخوت بہت اپیل کرتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ اس کی عزت نفس اور خودی کو اتنے برے طریقے سے روندا گیا تھا کہ وہ اترن بھی پہننے پر مجبور کر دی گئی تھی۔ ستر پوش اور پیٹ کا ایندھن یہ ایسی ضروریات ہیں جن کے بغیر گزارہ نہیں۔ ایک عجیب سا احساس ہمراہ لیے وہ وہاں سے اٹھ آیا۔

"کیا میں اس سے ہمدردی محسوس کر رہا ہوں؟" اس نے خود سے سوال نہیں کیا خود کو جھڑکا تھا۔

"وہ اسی قابل تھی۔" اس نے خود کو باور کرایا اور اپنے انتقام اور نفرت کی آگ کو فروزاں کرنے کی غرض سے دانستہ حویلی سے نکل کر آبائی قبرستان میں چلا آیا۔ وہاں مخصوص پرانی یاسیت اور سناٹا کا راج تھا۔ بوہڑ کے درخت کی گھنیری چھایا میں افغان کی قبر تھی۔ چھ فٹ سے لمبی قبر، جس کو آج بھی تازہ گلاب کی پتیوں سے ڈھکا گیا تھا۔ اس کا مطلب تھا، بظاہر مضبوط نظر آنے والے بابا جان ہر روز بیٹے کے پاس آ کر روتے تھے۔ اس کا دل پھر سے زخمی ہو کر رسنے لگا۔

"میرا وعدہ ہے تم سے افغان، میں تمہارے خون کا بدلہ ضرور لوں گا۔" اس نے قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر اپنا عہد دہرایا تھا۔ خاصی تاخیر سے جب وہ وہاں سے پلٹا تو ہمدردی کے ان احساسات کی چپ چاپ موت واقع ہو چکی تھی جو کچھ دیر قبل بیدار ہوئے تھے۔

☆.....☆.....☆

"چھوٹے صاحب آئے ہیں۔ سیال صاحب۔" روٹی بیل کر توے پر ڈال رہی تھی۔ رجو کی اس چمکار پر ہاتھ کچھ اس انداز میں بہکا کہ گرم توے پر ہتھیلی جھلس کر رہ گئی۔ اس کے لبوں سے سسکاری سی نکلی اور آنکھوں کی سطح پر نمی پھیلتی چلی گئی۔ یہ نئی بات تھوڑا ہی تھی۔ چولہے پر آگ جلا کر کام کرنے کا تجربہ صرف مشکل ہی نہیں اس کے لیے بہت تکلیف دہ بھی ثابت ہوا تھا۔ کتنی بار نا تجربے کاری کے باعث ہاتھ اور کلائیاں جھلس گئی تھیں۔ کبھی لکڑیاں یا کوئلے آگ پکڑنے سے انکار کر دیتے۔ پہلی بار جو چائے اس نے بنائی تھی اس کا ذائقہ اسے خود کو بھی اچھا نہیں لگا تھا۔

"کیا ہوا؟" تو تو ایسے ہاتھ جلا بیٹھی جیسے سیال صاحب تیری دلداری کو ہی تو آئے ہیں۔ نکاح ضرور ہوا ہے تیرا، مگر بیوی نہیں بن سکے گی کبھی ان کی۔ اری ایسی خوں بہا میں آنے والیاں کبھی دل پشوری کا باعث بن گئیں تو بن کسی ایک آدھ رات کو۔ ورنہ ساری عمر یونہی گنواتی ہیں۔" رجو اس کا مضحکہ اڑا رہی تھی۔ انزلہ کی رنگت صرف آگ کی تپش سے نہیں تمتمائی تھی۔ اس نے ہونٹ اتنی شدت سے کاٹا کہ منہ میں خون کا ذائقہ گھلتا چلا گیا تھا۔ رجو کے کچن سے جانے کے بعد وہ کتنی دیر تک گھٹنوں میں منہ چھپائے سسکتی رہی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے یہ؟ بڈھرامی کے اچھے بہانے ہیں۔" انزلہ اس کی پھنکار سن کر زور سے اچھل پڑی، مگر روبرو پا کے تو جیسے دم حلق میں اٹک گیا تھا۔ وہ جیسے لمحوں میں یوں زرد پڑ گئی جیسے موت کا فرشتہ دیکھ لیا ہو۔

"چائے بناؤ میرے لیے، کمرے میں لے آنا۔" وہ عجیب اکھڑپن سے حکم دیتا تھا۔ طنز کی کاٹ اور تمسخر کا زہر ملا کر، انزلہ کی جان ہوا ہو رہی تھی۔

"جج جی بہتر، ابھی لائی۔" اس نے سٹپٹا کر کہا تو

سیال اسے کینہ توز نظروں سے گھورتا پلٹ گیا۔ انزلہ نے کانپتے ہاتھوں سے جیسے تیسے چائے بنائی۔ مگ ٹرے میں رکھ کر اس کے کمرے کی جانب جاتے اس کا دل سہما جا رہا تھا۔ دستک کے جواب میں اس کی بوجھل آواز ابھری تھی۔ انزلہ آہستگی سے دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی۔ وہ وارڈ روب کے پاس کھڑا اپنے لیے لباس منتخب کرنے میں مصروف تھا۔ اس غضب کی سردی میں وہ جنجر پر بنیان پہنے کتنے اطمینان سے کھڑا تھا۔

"ادھر آؤ۔" چائے رکھ کر وہ الٹے قدموں بھاگی تھی کہ اس کی طیش زدہ آواز سن کر اسے لگا تھا وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے گی۔ مارے بندھے پلٹ کر آنا پڑا تھا۔

"میں نے تمہیں اجازت دی واپس جانے کی؟" وہ سرخ نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ انزلہ کا دل جیسے کنپٹیوں میں دھڑک اٹھا۔

"ن..... نہیں۔" اس نے گھگھیا کر سر کو نفی میں جنبش دی۔

"تو پھر، تمہیں یہ جرأت کیسے ہوئی کہ بنا پوچھے قدم باہر رکھو۔" وہ غرایا اور انزلہ جیسے روہانسی ہو گئی۔ اس کے تیور ہی ایسے تھے۔ حواس سلب کر دینے والے۔

"آتش دان میں اور لکڑیاں ڈالو اور میری وارڈ روب ٹھیک کرو۔" یکے بعد دیگرے احکام نازل ہوئے تھے۔ انزلہ نے لرزتے کانپتے دل کے ساتھ بجا آوری کرنی شروع کی۔

"کچھ معلوم ہے تمہارا بھائی کہاں ہے؟" سوال تھا کہ پگھلا ہوا سیسہ سماعتوں میں اترا تھا۔ انزلہ کے ہاتھ سے اس کی شرٹ چھوٹ گئی۔ اس سوال کے ساتھ کیا گیا بہیمانہ سلوک یاد آ کر اس کے رونگٹے کھڑے کرنے لگا۔

"م..... میں نہیں جانتی۔ اللہ گواہ ہے، میں کچھ نہیں جانتی۔" اس نے بے اختیار روتے ہوئے کہا تھا۔

سیال کا دماغ الٹ سا گیا اس نے اتنی بری طرح سے جھڑک کر چپ کرایا تھا کہ وہ گھبرا کر تھرا کر یکلخت رونا بھول کر لب بستہ کھڑی رہ گئی۔ سیال سرخ لہو چھلکاتی آنکھوں سے اسے گھورتا ہونٹ بھینچے کھڑا رہا۔

"دیکھو اپنے حال پر رحم کھاؤ۔ مجھے صرف اس کا ٹھکانہ بتا دو۔ کچھ نہیں کہوں گا تمہیں، بلکہ ہو سکتا ہے تمہیں یہاں سے نکلوا دوں۔" وہ جیسے لالچ دے رہا تھا۔ بے بسی کا احساس انزلہ کی آنکھیں لبالب پانیوں سے بھر گیا۔

"میں جھوٹ نہیں بول رہی۔ وہ میرا بھائی ضرور تھا مگر اس کے کسی بھی کام کی مجھے کوئی خبر نہیں تھی۔ ہم میں پپا کے ساتھ اسلام آباد میں ہوتی تھی جب کہ وہ یہاں گاؤں میں دادا سائیں اور اماں کے ساتھ رہتا تھا۔"

"اچھا!!" وہ زہر خند سے ہنسا۔

"اگر ایسی بات تھی تو پھر اس کی جگہ تمہیں کیوں یہاں سزا بھگتنے کو بھیج دیا گیا بتاؤ۔" سیال درانی نے یکدم اس کا چہرہ اپنے فولادی ہاتھوں میں جکڑ لیا۔ وہ پھڑپھڑا سی گئی۔

"دل چاہتا ہے گلا گھونٹ کر کام تمام کر دوں تمہارا، مگر یہ تو بہت آسان موت ہو گی۔ لمحہ لمحہ مرنا ہے تمہیں۔ اس طرح کہ موت کی آرزو کرو بھی تو موت نہ ملے تمہیں۔" وہ پھر سے وہی سفاک اور بے مہر شخص تھا۔ شکی اور وحشی، انزلہ اوسان خطا کرتی سانسوں اور دھڑکنوں کے ساتھ سہمی ہوئی اسے دیکھتی رہی۔ سیال نے یکدم اسے جھٹک دیا اور رخ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" اس کا لہجہ نفرت و آتش سے بھیگا ہوا تھا۔ انزلہ نے تعمیل میں لمحہ بھر کی تاخیر نہیں کی۔ وہ گرتی پڑتی وہاں سے بھاگ نکلی تھی۔

☆.....☆.....☆

اس نے نل کے آگے رکھ کر ٹب میں پانی بھرا پھر سرف ڈال کر جھاگ بنانے کے بعد اجدی شرٹس اس

میں بھگو دیں۔ کچھ دیر قبل وہ اسے تھما کر دھو کر استری کر کے کمرے میں رکھنے کا حکم دے کر گیا تھا۔ اس کام سے فراغت کے بعد وہ کچن میں چلی آئی کہ ارادہ تھا کچھ دیر بعد کھنگال کر دھوپ میں پھیلا دے گی۔

سنک گندے برتنوں سے اٹا ہوا تھا۔ جب سے اس نے کام کاج سنبھالا تھا۔ ملازماؤں نے اپنی ذمے داریوں میں ڈنڈی مارنا شروع کر دی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس میں بھی کسی مالک کی تاکید کارفرما تھی یا پھر ملازمائیں بھی اس کا ضبط آزمانے پر تل گئی تھیں۔

رکھی کو اس سازش کی خبر ہوئی تو وہ بدحرام ملازماؤں کو کوسنے اور بڑبڑانے کے سوا کچھ نہیں کر سکی۔ آستین فولڈ کرتے ہوئے وہ برتن دھونے پر جت گئی تھی۔ ایک گھنٹے کے بعد فارغ ہوئی تو کمر مسلسل جھکنے کے باعث فریاد کر رہی تھی، مگر اسے خود کو آرام دینے کی اجازت نہیں تھی۔ جبھی چولہے پر موجود خشک بکھرا ہوا آٹا سمیٹنے کے بعد چولہا صاف کیا، پھر کچن کی دھلائی میں مصروف ہوئی ہی تھی کہ اسی پل کوئی آندھی طوفان کی طرح کچن میں آن گھسا۔ سر اٹھا کر دیکھنے پر انزلہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ سیال درانی تھا۔ اس کے ہاتھ سے جھاڑو چھین کر پٹختا ہوا اپنے ساتھ گھسیٹتا ہوا باہر لے گیا۔ وہ حواس باختہ سی ساتھ گھسٹتی ہوئی آئی تھی۔ اتنی جرأت کہاں تھی کہ نیا تازہ جرم پوچھ لیتی۔

"تمہارے باپ کو تمہاری ہمدردی کے مروڑ اٹھے ہوئے ہیں۔ جان کو ہتھیلی پر رکھ کر یہاں چلا آیا ہے سالا۔ جا کہہ اسے جا کر کہ تُو اس کے ساتھ نہیں جائے گی۔ تُو نے اپنی مکمل رضامندی سے یہ شادی کی ہے اور خوش ہے تُو یہاں۔" برآمدے میں لا کر وہ اسے دھکا دیتے ہوئے بولا تھا۔ انزلہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

"پپا!!" اس پر جیسے شادیٔ مرگ طاری ہو گئی تھی۔ اس کا باپ یہاں تک چلا آیا تھا، صرف اُس کی خاطر۔ وہ کیوں بھول گئی کہ وہ اس دنیا میں بہرحال بے سہارا نہیں ہے۔ اسے ایک بار پھر لگا تھا وہ زندہ ہے۔ زندگی کا احساس اس کے اندر باقی ہے۔

"کیا کہا ہے تم سے؟" سیال درانی نے اُسے بے دردی سے جھنجوڑ ڈالا وہ جیسے حقیقت کی سفاکی میں لوٹ آئی۔

"پتا نہیں کیا سمجھتا ہے خود کو، قانونی چارہ جوئی کرے گا۔ طلاق دلوائے گا تمہیں اور نکال لے گا یہاں سے، ایسا تو قیامت تک نہیں ہو گا۔ بات سُن..... یہ دیکھ، پسٹل ہے میرے ہاتھ میں اور میں یہاں کھڑا ہوں۔ اگر تُو نے یہ سب نہیں کہا، اسے یہاں سے چلتا نہیں کیا تو تیرا باپ اپنے پیروں پر واپس نہیں جا سکے گا، بعد میں جو ہو گا میں خود دیکھ لوں گا۔" پھر وہ باقاعدہ اسے پٹی پڑھانے لگا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس کی تیز غصیلی آواز سن کر انزلہ کا کلیجہ منہ کو آ گیا۔

"نہ نہیں، نہیں پلیز۔ ایسا مت کیجیے۔ وہی ہو گا جو آپ چاہیں گے۔" اس کی زبان اگر لڑکھڑائی تھی تو وجہ سیال کے جارحانہ و سفاکانہ اجنبی روکھے تیور تھے۔

"جاؤ۔ وہ بابا جان کے کمرے میں ہے۔ اچھی طرح تسلی کرانا اس کی۔" اس کی دھیمی آواز میں جو دھمکی اور گھن گرج پوشیدہ تھی اس نے انزلہ کی گھبراہٹ میں دو چند اضافہ کر دیا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھی تھی اور احسان درانی کے کمرے میں آ کر دروازے پر رک گئی۔

آفاق شیرازی کی نگاہ جیسے ہی اس پر پڑی وہ پہلے تو اسے پہچان نہیں سکے، مگر جب پہچانا تو غم و غصے اور صدمے سے گنگ رہ گئے تھے۔

"یہ کیا حال بنا لیا ہے انزلہ بیٹے۔" وہ جیسے رو پڑے تھے۔

"آپ یہاں کیوں آئے ہیں پپا؟" اس نے دل پر پتھر رکھ کر چہرے و لہجے میں اجنبیت و رکھائی کا تاثر جمایا تھا۔ پپا اس کا سب سے قیمتی سرمایہ تھے۔ وہ اس

خزانے کو اس ناپاک جگہ پر دفن کرنے کا کیسے سوچ سکتی تھی۔

"تمہیں لینے آیا ہوں بیٹے۔ میری غیر موجودگی میں جو زیادتی ہوئی تمہارے ساتھ وہ....."

"آپ کو شدید غلطی فہمی ہوئی ہے پپا۔ میں اپنی مرضی سے یہاں آئی ہوں۔ سیال سے محبت کرتی تھی میں۔ مجھے اندازہ تھا آپ میری یہاں شادی نہ ہونے دیتے، مجبوراً مجھے یہ قدم اٹھانا پڑا۔ یہ قتل تو بعد میں ہوا تھا پپا۔ میں سیال سے اس سے پہلے نکاح کر چکی تھی۔" اس نے سارے آنسو اندر اتار کر باپ کے سامنے اک اور گناہ اوڑھ لیا۔ آفاق شیرازی سناٹے میں آ گئے، انہیں جیسے یقین نہیں آ سکا تھا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ آئی کانٹ بلیو اٹ۔ وکیل صاحب یہ لوگ میری بیٹی کو پریشرائز کر کے زبردستی یہ بیان دلوا رہے ہیں۔ انزلہ بیٹے ڈرو نہیں، کچھ نہیں ہوگا، یہ دیکھو یہ وکیل صاحب ہیں اور یہ ڈی سی صاحب ہیں، ہمارے ساتھ ہیں یہ لوگ اور....."

"کیوں نہیں ہو سکتا پپا؟ کیا سیال نے اپنا پروپوزل نہیں بھیجا تھا آپ کو؟ آپ نے انکار کہلوا دیا۔ کیا کرتی پھر میں۔ آپ عائزہ سے پوچھ لیں جا کر۔ سیال سے میں وہیں اس کے گھر پر ملتی رہی ہوں۔ اگر یہ جرم ہے تو آپ نے بیس سال پہلے یہ جرم کیوں کیا تھا۔ کیوں میری ماں کو بھگا کر لے گئے تھے اپنے ساتھ۔ میں بھی اسی عورت کی بیٹی ہوں۔" وہ بولنے پر آئی تو چپ ہونے کا نام نہیں لیا تھا۔ بے اختیار چیختی چلی گئی۔ اس کے لہجے میں ہیجان سا در آیا تھا۔ بس ایک ہی دھن تھی کسی طرح پپا بدگمان ہو جائیں۔ یہاں سے زندہ سلامت چلے جائیں۔

بہر حال وہ انہیں اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے ہوئے دیکھنے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی۔ اس نے آفاق شیرازی کا رنگ پہلے متغیر ہوتے پھر پھیکا پڑتے دیکھا اور وہ ہونٹ بھینچے دھواں چہرے کے ساتھ لڑکھڑاتے قدموں سے وہاں سے چلے گئے تھے۔ انزلہ کا حوصلہ وہیں تک تھا۔ وہ اپنی طاقت سے بڑھ کر خود کو آزما چکی تھی۔ جبھی بے جان جسم کے ساتھ بھربھری مٹی کی طرح بیٹھتی چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

احسان درانی پاگلوں کی طرح قہقہے لگا رہے تھے، پھر انہوں نے آگے بڑھ کر شاطر و مکار بیٹے کی پشت پر شاباشی کے انداز میں تھپکی دی تھی۔

"تمہاری ذہانت کا قائل تو میں آج صحیح معنوں میں ہوا ہوں۔ آہا! کیا منظر تھا کہ وہ اپنی بیٹی کے ہاتھوں منہ کی کھا رہا تھا۔ زخموں کے کھلے منہ پر آج ہی ٹانکے چڑھے ہیں۔ بڑا سکون ملا ہے۔" وہ بیئر کی بوتل کا گھونٹ گھونٹ حلق سے اتار رہے تھے۔

"اسی لیے تو میں نے قانون میں بھیجا تمہیں۔ بہ وقتِ ضرورت معاملے کو سنبھال سکو، اب معاملے آسان نہیں رہے۔ قتل کرنا اور شکنجے سے بچ نکلنا آسان نہیں۔ جب دشمن برابری کی سطح کا ہو تو اس کی جان نہیں لی جاتی۔ اس کے پیر کاٹے جاتے ہیں تاکہ وہ لنگڑا ہو کر عمر بھر بیساکھیوں پر اچھلتا پھرے۔ تُو نے آفاق شیرازی کے پیر کاٹ دیے۔" وہ پھر اسے ستائش سے نواز رہے تھے۔

"میں کوشش کر رہا ہوں کسی طرح آفاق کے بیٹے شاویز کا سراغ پا لوں۔ جس دن سراغ مل گیا، وہ آخری دن ہوگا اس کی زندگی کا۔" سیال کی غراہٹ میں خون کی پیاس تھی۔ احسان درانی نے چونک کر بیٹے کی شکل دیکھی۔

"نہیں سیال۔ تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔ ایک پتر ہے اس کا، جیتا رہنے دے اسے۔ اس کا ایک لے کر مجھے باقی کے دونوں پتر نہیں گنوانے۔"

"آپ ایسے بزدل تو کبھی نہیں تھے بابا جان۔"

"اب ہو گیا ہوں۔ اگر ہم عمیق نگاہ سے جائزہ لیں تو اس دشمنی میں سب سے زیادہ نقصان ہمارے حصے میں آیا ہے سیال۔ پہلے نازنین نے عزت کھوئی گھر سے بھاگ کر، پھر ہم نے خود اپنے ہاتھوں مار ڈالا اسے۔ اس کے بعد افعان کا نقصان۔ میں اندر سے ڈھ گیا ہوں۔ تُو اگر ایک شاویز کو مار بھی دے گا تو وہ جواب میں میرے اسجد کو چھوڑیں گے نہ تجھے۔ میں ان شیرازیوں کو جانی نہیں مالی نقصان پہنچاؤں گا۔ تم دیکھنا کیا کرتا ہوں میں۔" وہ پھر سے گھونٹ بھرنے لگے۔ جبکہ سیال مشتعل نظر آنے لگا تھا۔ وہ ہرگز بھی باپ سے متفق نہیں تھا۔ اس کے خیال میں افعان کا خون اتنا ارزاں نہیں تھا کہ بدلہ چکائے بغیر چھوڑ دیا جاتا۔

☆.....☆.....☆

پھر جیسے جیسے موسم بدلتے گئے وقت بھی آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس کے اندر بے حسی ہی نہیں جمود نے بھی ڈیرے ڈال لیے تھے۔ وہ مکمل طور پر بھول چکی تھی کبھی وہ یہ نہیں کچھ اور تھی۔ اگر یہ کہا جاتا کہ اسے یہ بھولنے پر مجبور کر دیا گیا تھا تو بھی غلط نہیں تھا، مگر دکھوں کی عمیق گہرائی میں گر کر بھی انسان مکمل طور پر نہ بے حس ہوتا ہے نہ دکھوں کا عادی۔ یہ فطری طور پر ہے کہ ہر نئی ضرب پر جسم تکلیف محسوس ضرور کرتا ہے، اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

وہ جاتی گرمیوں کی قدرے خنک رات تھی۔ انزلہ شدید گرمی میں بھی اپنے کمرے میں ہی سویا کرتی تھی۔ وجہ قبرستان سے پرے موجود جنگل میں خونخوار جانوروں کا خوف اسے صحن میں سونے کا حوصلہ نہیں کرنے دیتا تھا، پھر اس جگہ کی ہیبت ناک ویرانی۔ ہوا چلتی تو درختوں کے پتے اس سناٹے میں اس طرح کا شور پیدا کرتے جیسے بھوت مل کر رقص کر رہے ہوں۔ کمرے کی قبر جیسی تاریکی اور ویرانی سے وہ جیسے تیسے سمجھوتا کر چکی تھی۔ رات کے کسی پہر اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس کے بعد کروٹیں بدلتے اضطراب بڑھنے لگا تو ذہن میں وحشت چھا گئی۔ سوچوں نے آنکھوں میں نمی بھر دی۔

آٹھ ماہ ہو گئے تھے پپا کو یہاں سے مایوس ہو کر لوٹے پھر پلٹ کر اس کی خبر نہیں لی۔

کیا آپ بھی مجھ سے بدگمان ہو گئے پپا، سیال درانی کی طرح؟، اس نے بے خیالی میں سوچا تھا اور نمی کنپٹیوں سے بہ کر میلے چیکٹ تکیے میں جذب ہونے لگی۔ کل سے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ جسم حرارت دے رہا تھا۔ رکھی نے سب سے چھپا کر جانے کہاں سے بخار کی دوا اسے مہیا کر دی تھی، مگر اس کے اثرات ظاہر نہیں ہو سکے تھے۔ اس نے شدید اذیت کے عالم میں بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔

"کیا ہر محبت اتنی ناپائیدار ہوتی ہے کہ بدگمانی اور جھوٹ کی پرکھ کی صلاحیت بھی نہیں رکھتی؟ آپ سیال درانی کی طرح غیر کہاں تھے پپا! میرے سب سے زیادہ اپنے تھے۔ آپ نے کیوں کیا ایسا۔" وہ اب گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی۔ لاشعوری طور پر وہ باپ سے سیال کو کمپیئر کر رہی تھی۔ شاید اس لیے کہ وہاں کے بعد یہاں بھی آس ہی ٹوٹی تھی، مان بکھر گیا تھا۔ یہاں پہلی بار اس رشتے کی حیثیت سے روبرو پا کر اسے کتنی تقویت ملی تھی۔ یہ لاشعوری احساس تھا۔ اسے لگا تھا نخلستان میں اچانک کوئی شجر سایہ دار میسر آ گیا ہو، لیکن سیال کے رویے نے اسے آسمان سے زمین پر پٹخ دیا تھا۔ اس کی نگاہوں میں نفرت کا دہکتا آتش فشاں انزلہ کو بھسم کر گیا تھا۔ اس کا تضحیک آمیز لہجہ، ہتک چھلکاتے بیگانے بے مہر انداز، انزلہ کو تڑپا کے رکھ گئے تھے۔ سیال کی آنکھوں میں اس سے قبل اپنے لیے وہ نرم جذبے دیکھ چکی تھی۔ انہی آنکھوں میں ہتک زدہ تاثرات برداشت کرنا بہت کٹھن لگا تھا اسے، مگر سیال درانی نے جتلا دیا تھا کہ اس کے نزدیک انتقام اور نفرت کی اہمیت بہر حال اس بے

وقوف احساس سے کہیں بڑھ کر تھی۔ جس نے انزلہ کے دل کو بہت سبک انداز میں بے حد نرمی سے چھوا تھا۔ باہر چوکیدار کی دور و نزدیک ہوتی سائیکل اور سیٹی کی آواز وقت کے آگے بڑھنے اور رات گزرنے کی گواہ تھی، مگر وہ ہر احساس سے غافل، ماضی کی راکھ کریدرہی تھی معاً وہ چونک گئی۔ برآمدے میں بھاری قدموں کی آہٹ دروازے پر آ کر رک گئی تھی۔ انزلہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ اتنی رات گئے کبھی اسے حویلی والوں کی طرف سے نہیں بلوایا گیا تھا۔ کسی چور ڈاکو کی آمد کا بھی گمان کم از کم حویلی میں نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہ گاؤں کے سردار کی حویلی تھی۔ صرف سردار کی نہیں جس کا بیٹا بھی اسلام آباد جیسے شہر کی ساری پولیس کو کنٹرول کرتا تھا۔ ہر پوزیشن اتنی مستحکم تھی کہ کسی لٹیرے کی ایسی ہمت نہیں ہوسکتی تھی۔ زرد بلب روشن تھا اور وہ اپنے بستر میں دبکی خوف کے باعث دل بند ہوتا محسوس کرتی دروازے پر ہونے والی دستک سنتی رہی۔

"اے لڑکی، دروازہ کھولو۔" اگلے لمحے اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ دروازے کے پار ابھرنے والی آواز اسجد کی تھی۔ وہ اس پہر اس کے پاس کیوں آیا تھا۔ یہ بات اس کی سمجھ سے باہر تھی اور حیرانی حد سے سوا۔

"سنا نہیں تم نے۔ دروازہ کھولو۔" وہ اب کے لکڑی کے مربل سے دروازے کو ٹھوکریں رسید کر کے پھنکارا تھا۔ انزلہ سٹپٹا کر اٹھ گئی۔ اپنی حیثیت جانتی تھی۔ مالکوں کے حکم سے سرتابی گناہ کے زمرے میں شمار کی جاتی تھی۔

"جاگ رہی تھیں تو دروازہ کیوں نہیں کھولا؟" انزلہ نے کانپتے ہاتھوں سے جیسے ہی زنجیر کنڈے سے الگ کی وہ دندناتا ہوا اس کے سر پر آ چڑھا۔ انزلہ گھبرا کر لڑکھڑا کر سرعت سے پیچھے ہوئی۔ بدبو کا بھبکا اس کے حواس سلب کر گیا۔ اسجد شراب کے نشے میں دھت لگتا تھا۔

"چھی چھی، یہ جگہ تو اس قابل نہیں کہ دو منٹ بھی ٹھہرا جائے۔ تم کیسے رہ لیتی ہو۔" وہ ناگوار انداز میں کہتا الٹے قدموں پھر برآمدے میں جا کھڑا ہوا۔ انزلہ ساکن تھی۔ اس کے اندر کچھ غلط ہونے کی گھنٹی بجنی شروع ہو چکی تھی، مگر وہ کچھ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی گویا۔

"ایسا ہے کہ تم میرے کمرے میں آ جاؤ۔ کچھ کام ہے تم سے۔" اسجد نے اسے بغور تکتے ہوئے اک نیا اور انوکھا آرڈر دیا۔ انزلہ کے اندر ناگواری کا احساس سرعت سے پھیلا تھا۔ وہ خاموش تھی، مگر دل میں وحشت ناچ رہی تھی۔ انجانے خدشے اور واہمے دھڑکنیں منتشر کر رہے تھے۔

"سنا تم نے کیا کہہ رہا ہوں؟ آگے لگو۔" اسجد نے پلٹ کر اسے تنبیہی نظروں سے گھور کر گویا اسے اس کوتاہی و تاخیر پر سرزنش کی تھی۔ انزلہ نے ہونٹ بھینچے پھر قدم بڑھا کر چند قدم چلی، مگر پیر جیسے زمین میں گڑ رہے تھے۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا' اسجد کی نیت ٹھیک نہیں۔ اس کے پاس ثبوت نہیں تھا، مگر یہ بھی حقیقت تھی اسے فرمانبرداری کا یہ ٹیگ نہیں سجانا تھا۔ یہ اگر غلط تھا تو پھر وہ اس کام کو نہیں کر سکتی تھی۔ فیصلہ ہوا اور یکدم اس نے قدموں کو موڑ لیا۔ اسجد نے ششدر نگاہوں سے اس لڑکی کو اندھا دھند بھاگ کر کمرے میں گھستے دیکھا تو اس کا جیسے دماغ صحیح معنوں میں گھوم گیا تھا۔ شکار کو ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر وہ جیسے پاگل ہونے لگا تھا۔ جب تک واپس دروازے پر پہنچا تو انزلہ اندر سے کنڈی لگا چکی تھی۔ اسجد دروازے کو ٹھوکریں مارتا ہوا، مغلظات بکتا اور اسے اس کی اوقات یاد دلا کر دھمکیاں دیتا رہا۔ انزلہ نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے اور یونہی دروازے سے پشت ٹکائے بے آواز روتی ہوئی گھٹنوں کے بل گر گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

رات کے واقعے نے خوف کا انداز بدل دیا تھا۔

خود کو غیر محفوظ تصور کر کے اس کی روح جیسے جھاڑ میں الجھ کر زخمی ہو رہی تھی۔ معاملہ ایسا تھا کہ وہ کسی سے بھی شیئر نہیں کر سکتی تھی۔ شیئر تو خیر وہ کسی سے بھی کچھ نہیں کر سکتی تھی کہ یہاں اس کا اپنا تھا ہی کون؟ مگر یہ معاملہ تو بے حد نازک نوعیت کا تھا۔ الٹا اسی پر عتاب لایا جاتا کہ وہ الزام لگا رہی ہے۔ اسجد بھی پینترا بدل سکتا تھا۔ اسے اپنی قسمت پر پھر سے رونا آنے لگا۔ کتنی شاکی ہو گئی تھی، وہ پھر اپنے نصیب سے۔

"دھی رانی! چائے نہیں بنائی؟ بہت دیر ہو گئی، بڑی مالکن ناراض ہوں گی۔" رکھی نے آ کر اس کی سوچوں کو منتشر کر دیا۔ وہ گڑبڑا کر اٹھ گئی۔ شام کی چائے پر یہاں خصوصی اہتمام ہوا کرتا تھا۔ اس نے رکھی کے ساتھ مل کر چائے کے ساتھ دیگر لوازمات کی تیاری میں بھی مدد دی تھی پھر ٹرے سجا کر باغ کی سمت لے آئی۔ آج موسم خوشگوار ہونے کے باعث سب یہیں براجمان تھے، لیکن انزلہ کو حیرت سیال درانی کی موجودگی کے باعث ہوئی تھی۔ ہلکے آسمانی کاٹن کے شلوار سوٹ میں نکھرا ستھرا کرسی پر بیٹھا وہ اپنی سحر انگیز شخصیت کی بدولت بے حد نمایاں تھا۔ انزلہ کا جانے کیوں دل بہت زور سے دھڑک اٹھا۔ اس مرتبہ کم و بیش بھی دو دو ماہ کے عرصے کے بعد نظر آیا تھا۔ اس کے اندر کل سے سرسراتے خوف پر عجیب سے تحفظ کے احساس نے غلبہ پانا شروع کیا تھا۔ اس کے اٹھتے قدموں میں یکدم استقامت آئی تھی اور چہرے پر طمانیت بھرا احساس۔ اسجد جو وہیں موجود تھا اس نے بہت عمیق نگاہ سے اس کا بڑے بھائی کو دیکھنا محسوس کیا تھا اور جیسے کانٹوں پر جا پڑا تھا۔ اس کے اندر جلن اور رقابت کے ساتھ نفرت کا تند خو احساس بہت سرعت سے پھیلا تھا۔ انزلہ اپنے دھیان میں ٹرے سمیت جیسے ہی اس کے نزدیک سے گزری اس نے غیر محسوس انداز میں پیر پھیلا کر اسے الجھا کر گرا دیا۔ انزلہ ٹرے سمیت منہ کے بل جا کر گری تھی۔ چائے کے برتن اور دیگر لوازمات جو برباد ہوئے، سو ہوئے۔ وہ خود سبکی اور ذلت کے احساس سمیت جیسے زمین میں گڑ گئی۔ اس پر ستم اسجد کا آگ بگولہ انداز۔

"اندھی ہو گئی ہو تم، دو ٹکے کی نکمی عورت۔ اتنے معمولی کام سے بھی جان جاتی ہے تمہاری۔ حد ہے کام چوری کی۔" وہ بھڑک کر زہر اگل رہا تھا۔ سنبھل کر اٹھنے کی کوشش میں ہلکان انزلہ کی پسلی میں اس نے اپنے جوتے سے اتنی کاری ضرب لگائی تھی کہ وہ ذبح ہوتے جانور کی طرح بلک کر سر کے بل پھر سے زمین پر اس انداز میں گری کہ اس کا چہرہ کرسی پر بیٹھے سیال درانی کے قدموں سے جا لگا۔

"اتنے قیمتی برتن توڑ ڈالے اس حرام زادی نے۔ پتا نہیں اس کی نحوست کا سلسلہ کب ختم ہوگا۔ اسے میری آنکھوں کے سامنے سے دفع کر دے۔ ورنہ جان لے لوں گی میں اس کی۔" اماں الگ چلا رہی تھیں۔ انزلہ کا چہرہ سراسیمگی کا اشتہار بنا ہوا تھا اور دھڑکنوں میں سرسراہٹ تھی۔ اسے ایک بار پھر لگا تھا، وہ پوری شدت سے بے وقعتی، بے مائیگی اور ذلت کے الاؤ میں دھکیل دی گئی ہے۔ اس نے آنسو سے چھلکاتی نظروں سے اک نظر سیال درانی کو دیکھا۔ ایک بار پھر اس کی نگاہ آس زدہ تھی۔ سیال درانی کے ہاتھ میں اخبار تھا مگر وہ اسے برہم نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس کی پرکشش آنکھوں میں قہر ساماں تاثرات جھلک آئے تھے۔ پیشانی پر شکن تھی۔ یعنی جو ہوا تھا اس نے سیال کو ہمیشہ کی طرح کوفت اور تلخی سے دوچار کیا تھا۔ اس کی نگاہ پھر سے مایوس اور نامراد لوٹ آئی۔ تو طے ہوا تھا کہ وہ شخص کبھی بھی اس کی امیدوں پر پورا نہیں اتر سکتا تھا۔

"سر پر کیوں سوار ہو؟ ناؤ گیٹ لاسٹ فرام ہیئر۔" وہ دھاڑا اور جیسے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی گئی۔ انزلہ اپنا بکھرا پندار، بکھرا وجود سمیٹتی اٹھ کر

لڑکھڑاتے قدموں سے کچن میں آ گئی۔ رکھی پہلے ہی کرچیاں سمیٹ رہی تھی، لیکن تمام کرچیاں سمٹنے کے لیے تو نہیں بکھرتیں۔

☆.....☆.....☆

چولہے میں لکڑیاں چیخ رہی تھیں اور وہ سامنے سر جھکائے بیٹھی راکھ کرید رہی تھی۔ اسے اپنا آپ بھی ان لکڑیوں اور اُپلوں سے بھی حقیر اور بے مایا لگتا۔ ان کی قسمت میں اک بار ٹوٹنا اک بار جلنا تھا جبکہ وہ بار بار ٹوٹنے اور جلنے کے عمل سے گزر رہی تھی۔ امجد کا مختلف رویہ اس کی جان پر بنا رہتا تھا۔ کسی بھی متوقع بہتان کا خیال اس کا خون خشک کیے دیتا تھا۔

"دھی رانی کیا سوچ رہی ہے۔ آج تُو نے صبح سے روٹی بھی نہیں کھائی۔" رکھی کی آواز پر وہ اپنے کرب آلود خیالات سے چونکی تھی۔ سر اٹھا کر دیکھا رکھی، یوکی شکل کے چولہے پر باریک چکنی مٹی کا لیپ کرنے میں مصروف تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ مٹی میں لتھڑے تھے مگر چہرے و آنکھوں میں بہت نرم تاثر تھا۔

"روٹی کھا لے دھیے۔ خالی پیٹ نیند کیسے آئے گی۔" وہ ہمدردانہ انداز میں بولی تو انزلہ کا دل بھرانے لگا۔

"نیند تو اب شاید ایسے بھی نہ آئے۔" آنسو اس کی آنکھوں میں جمع ہوتے پلٹ گئے۔

"چھوٹے مالک کہتے ہیں انزلہ چائے لے کر ان کے کمرے میں آئے۔" تب ہی رجو اپنے کرخت تاثرات کے ساتھ پیغام لیے چلی آئی۔ انزلہ دھک سے رہ گئی۔

"ک..... کون سے چھوٹے مالک، سیال یا.....؟" فقرہ اس کے حلق میں اٹک گیا۔

"امجد مالک کی بات بتا رہی ہوں تو ہر وقت ایس پی باؤ کے سپنے دیکھنے چھوڑ دے۔ وہ نہیں خیرات ڈالیں گے تیری جھولی میں۔ بڑے اونچے مجاج ہیں ان کے۔"

رجو کا گو کہ مرتبہ ایسا نہیں تھا کہ اس پر نشتر زنی کر سکتی، مگر جرأت مراتب نہیں دیکھا کرتی پھر یہ حوصلہ تو اس کے اپنوں کا دلایا ہوا تھا۔ اس کی حیثیت یہاں واضح اور مسلم تھی۔ انزلہ کا چہرہ جانے کس کس جذبے اور احساس کے تحت پہلے بے تحاشا سرخ پڑا پھر اسی قدر پھیکا۔ رجو زہر اگل کر جا چکی تھی، مگر وہ کسی طرح بھی اپنے آنسو نہیں روک سکی۔

"بہت کوڑی زبان ہے اس بدبخت کی۔ پتر تو حوصلہ کر۔ آزمائش رب سوہنا اپنے پیارے بندوں پر ہی ڈالتا ہے۔ دل وڈا کر۔" رکھی عادت کے مطابق اس کے آنسو پونچھ رہی تھی مگر انزلہ کا دل نہیں ٹھہر پا رہا تھا۔

"جلدی بنا لے چائے پتر۔ ذرا سی دیر بھی ان کے شاہانہ مزاج کو بری لگتی ہے۔" رکھی کے احساس دلانے پر انزلہ نے لرزتے دل کے ساتھ چائے تیار کر دی مگر لے کر جانے کا حوصلہ ناپید تھا۔ اسے امجد کے حوصلوں سے خوف آ رہا تھا۔ سیال کی موجودگی میں اس نے جو حرکت کی تھی اس کے بعد اس سے کچھ بھی توقع کی جا سکتی تھی۔ سیال کی چشم پوشی اور پھر نفرت کے اظہار نے یقیناً امجد کے حوصلوں کو تقویت دی تھی۔

"ماسی یہ چائے دے آؤ انہیں۔" اس نے ٹرے سمیت رکھی کے سامنے رکھا۔ وہ ابھی ابھی ہاتھ دھو کر آئی تھی۔ سامنے لیپا ہوا چولہا گیلی حالت میں موجود تھا۔ رکھی نے قدرے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"مگر پتر کہا تو تجھے ہے پھر تُو جانتی ہے۔ یہ لوگ تو تجھے مارنے اور ذلیل کرنے کو بہانے ڈھونڈتے ہیں۔" رکھی نے اس کی پوزیشن کی حیثیت سے گویا اسے سمجھانا چاہا تھا، مگر وہ جو ٹھان چکی تھی اس سے انچ بھر بھی نہیں سرکنا چاہتی تھی۔ یہ گناہ کا راستہ تھا اور اسے علم تھا پھر وہ کیوں دانستہ بھیڑیے کے پھیلائے جال میں جا کر پھنس جاتی۔ اسے عقلمندی اور دانائی نہیں کہا جا سکتا تھا۔

"مجھے ڈر لگتا ہے ماسی اس سے، اس وقت میں اس

کے کمرے میں نہیں جا سکتی۔" اس نے آہستگی سے کہا اور دھونے والے برتن سمیٹ کر سنک میں رکھنے لگی۔ رکھی نے چونک کر اسے بغور دیکھا وہ جہاں دیدہ عورت تھی لمحوں میں معاملے کی تہہ تک جا پہنچی۔

"دھیے خیر ہے نا سب، کچھ کہا بھی چھوٹے مالک نے تمہیں؟" ہمدردی و اپنائیت کا احساس اتنا گہرا تھا کہ انزلہ کی آنکھیں لمحے کے ہزارویں حصے میں چھلک گئیں۔

"میں تمہیں بتا دوں گی ماسی، بس ابھی جاؤ۔" اس نے رقت آمیز انداز میں کہا اور نل کھول کر برتن دھونے لگی۔ رکھی فکرمند اور پریشان سی ٹرے اٹھائے نکل گئی۔ انزلہ اپنے کام میں مشغول تھی جب اس نے امجد کی تیز دھاڑ اپنی پشت پر سنی تھی۔

"تمہاری اتنی جرأت کہ تم میرے کام سے انکار کرو۔ سمجھتی کیا ہو خود کو؟" یخ بستہ طنز و تمسخر میں چھپی کاٹ دار آواز انزلہ کو آگ میں نہلا گئی۔ جبھی خون میں جیسے انگارے دوڑنے لگے۔ اس نے نل بند کر دیا اور کچھ کہے بغیر محض اسے گھورنے پر اکتفا کیا۔

"اٹھاؤ بیگ اور خود لے کر چلو میرے کمرے میں۔" امجد نے گویا اسے حکم دیا تھا، لہجے میں برتری کا زعم بولتا تھا۔ انزلہ پتھر کی طرح ساکن رہی۔ اس کا اس حکم کی تعمیل کا بہرحال ارادہ نہیں تھا۔

"تم نے سنا نہیں ہے؟" وہ دھاڑا۔ انزلہ کا یہ بڑھتا تغافل اس کو جنونی بنانے لگا۔

"اگر میں کہوں نہیں سنا تو؟" اس کا لہجہ صرف سرکش نہیں تھا اس میں خاندانی وقار و سربلندی بھی تھی۔ گویا وہ ایک بار پھر وہی انزلہ شیرازی تھی جو آفاق شیرازی جیسے شہ زور جی دار آدمی کی بیٹی تھی۔ جو ہر کام اٹکے کی چوٹ پر کرنے کا عادی تھا۔ امجد تو جیسے اس طنطنے کی تاب نہ لا کر حواس کھو گیا۔ اس مجنونانہ کیفیت میں اس نے چولہے میں آگ کو بھڑکاتی وہ بھاری بھرکم لکڑی کھینچ لی جس کے سرے پر آگ روشن تھی۔ اس سے قبل کہ رکھی یا پھر انزلہ کے اس ارادوں کو جان پاتیں توہین اور غصے میں پاگل ہوتے امجد نے پوری قوت سے اس کا وار انزلہ پر کیا تھا۔ جلتی ہوئی وزنی لکڑی نے اس کے کاندھے کی ہڈی کو صرف چٹخایا نہیں تھا گوشت کو بھی جھلسا کے رکھ دیا۔ انزلہ اس حیوانیت کی تاب نہ لا پائی اور بے ساختہ چیخ کے ساتھ فرش پر آ رہی۔ رکھی فق چہرے کے ساتھ ششدر کھڑی رہ گئی تھی۔

"بتاؤ، بولو، کرو گی آئندہ میرے کسی کام سے انکار۔" وہ انگارے چبا رہا تھا۔ معاً اسے سنبھلنا پڑا۔ سیال کی بھاری اور غصیلی آواز راہداری کے سرے پر گونج رہی تھی۔ وہ شاید کسی ملازمہ کو پکار رہا تھا۔

امجد کا سر میں ٹھوکریں مارتا غصہ، اسی آواز کی بدولت دھواں بن کر غائب ہوا۔ اس نے لکڑی پھینکی اور پلٹ کر تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔ انزلہ ٹھنڈے فرش پر بیٹھی دونوں ہاتھوں میں اپنا زخمی کاندھا دبوچے بری طرح سسک رہی تھی۔ رکھی نے دکھی نظروں سے اسے دیکھا پھر اسے سہارا دے کر اٹھانے لگی۔ انزلہ یہ سوچ کر ہراساں تھی کہ آئندہ شاید وہ امجد کی کسی انتقامی کارروائی سے محفوظ نہ رہ سکے۔ وہ بہرحال اتنی خوش قسمت نہیں تھی کہ اس قسم کی غیبی امداد ہر بار اس کے لیے پہنچ جاتی۔ لاشعوری طور پر سہی وہ سیال درانی کی تمام تر ستم انگیزی کے باوجود اس احسان کے بوجھ تلے دب گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

"یہ دودھ لے لیجیے۔" انزلہ نے گلاس اس کے سرہانے رکھتے ہوئے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔ جہازی سائز بیڈ کی ریشمی جھالر والی سفید براق چادر پر وہ ڈھیلے ڈھالے انداز میں نیم دراز کسی سرکاری فائل کی ریڈنگ میں مصروف تھا۔

"اے سی کی کولنگ ذرا کم کرو اور میرا کوئی شلوار

کرتا بھی نکال کر واش روم میں رکھ دینا۔" اس پر اک نگاہِ غلط انداز ڈالے وہ اپنے مخصوص تحکمانہ لہجے میں گویا تھا۔ انزلہ نے بہت سکون سے بڑھ کر دونوں احکامات کی تعمیل کی تھی، مگر انداز میں سابقہ عجلت کی بجائے آہستہ روی تھی، یوں جیسے وہ جان بوجھ کر تاخیر کر رہی ہو۔ کام کے دوران اس نے متعدد بار ہچکچاہٹ آمیز نظروں سے سیال کو بھی دیکھا تھا، جیسے کسی الجھن، کسی اضطراب کا شکار ہو۔

"کون سے بل جوت رہی ہو آخر، نکلو یہاں سے، سونا ہے مجھے۔" معاً وہ فائل سائیڈ ٹیبل پر ڈال کر اس کی سمت متوجہ ہوا تو ماتھے پر اسے ہنوز وہاں پا کر بل پڑ گئے تھے۔ انزلہ کا تب سے مشکلوں سے جمع کیا حوصلہ اور ہمت جیسے لمحے کے ہزارویں حصے میں رخصت ہو گئی۔

"وہ..... مجھے کچھ کہنا ہے آپ سے۔" پلکیں جھکائے وہ بے حد مضطرب نظر آ رہی تھی۔ سیال کی پیشانی کی شکنوں میں اضافہ ہو گیا۔

"ایسی کون سی بات ہے؟" وہ پھنکار زدہ نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ انزلہ کی کنفیوژن بڑھنے لگی۔

"ذاتی مسئلہ ہے تمہارا تو پہلے سُن لو۔ میری طرف سے کسی خوش گمانی کو دل میں جگہ دینے کی ضرورت نہیں۔ نفرت و انتقام کی خاطر باندھے رشتے اپنی حیثیت و وقار کھو دیتے ہیں۔ مت سوچنا کہ میں اپنی فیملی کے خلاف کچھ سنوں گا۔"

کل شام میں جو ناخوشگوار واقعہ پیش آیا تھا اسی کے پیشِ نظر سیال نے پہلے سے اسے ہری جھنڈی دکھا دی۔ وہ نہیں چاہتا تھا انزلہ ظلم و ستم کی داستان سُنا کر اس کا وقت برباد کرے۔ انزلہ کا چہرہ یکلخت پھیکا پڑ گیا۔ اس کی آنکھوں میں سیال درانی کا بلند آہنی سراپا دھندلا پڑتا چلا گیا۔ اک بار پھر اس کی جانب اختیار کیا گیا مان و اعتبار کا سفر لاحاصلی کی گرد سے اٹ گیا تھا۔ طے ہوا تھا وہ کبھی اس کی کسی پریشانی تکلیف اور درد کا حصے دار نہیں تھا۔ یہ بیگانگی، یہ سرد مہری، یہ لاتعلقی ہمیشہ سے تھی اور ہمیشہ رہنی تھی۔ نادان تھی وہ جو ہر بار اس کی جانب آس مندانہ نظروں سے دیکھتی تھی اور منہ کی کھاتی تھی۔ زخمی دل سے رستے والا نمکین پانی آنسوؤں کی صورت آنکھوں میں اتر آیا۔ وہ بار بار پلکیں جھپک کر اس پانی کو گالوں پر اترنے سے روک رہی تھی، مگر ہلکان اور ناکام رہی تو کچھ کہے بنا پلٹ کر کمرے سے بھاگ گئی سیال حیرت زدہ سا بیٹھا اس کے عجیب و غریب رویے پر غور و خوض کر رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

آج اس کے حصے میں ہفتہ وار صفائی ستھرائی کا کام بھی آیا تھا۔ جس میں دیواروں کی جھاڑ پونچھ سے لے کر بیڈ کور اور کارپٹ بدلنے کا کام بھی شامل ہوتا تھا۔ جس روز اسے یہ کام کرنا ہوتا تھکن اس کی ہڈیوں تک میں اتر جایا کرتی تھی۔

"اچھی طرح پکڑنا ماسی اگر نہ دینا مجھے۔" حویلی کے کمروں کی چھتیں بہت بلند تھیں۔ انزلہ کو اوپر تک رسائی کی خاطر اونچے ٹیبل پر اسٹول رکھ کر یہ کام سر انجام دینا ہوتا تھا۔ پہلی بار تو وہ بہت خوفزدہ ہوئی تھی، مگر عادی ہو جانے کے باوجود خوف کا احساس باقی تھا۔

"فکر نہ کرو جیسے۔ چڑھ تُو اوپر، پھر میں جھاڑن پکڑاتی ہوں تجھے۔" رکھی نے اس کی تسلی کرائی تب وہ پہلے میز پر پھر اسٹول پر چڑھی تھی۔ اس کے بعد دیوار کو پکڑ کر کھڑی ہونے کے بعد کام کا آغاز کیا تھا۔ بڑی اماں کو صفائی کا خبط تھا، جبھی اس کی جان اکثر مصیبت میں آیا کرتی تھی۔

"رکھی رکھی۔ کدھر مر گئی۔ ادھر دفع ہو۔" بڑی اماں کی قہر بھری آواز کی پکار نے رکھی کو حواس باختہ کچھ اس انداز میں کیا تھا کہ وہ انزلہ کی پوزیشن کا خیال کیے بغیر سرپٹ باہر بھاگی تھی۔ انزلہ نے گھبرا کر پکارا بھی، مگر وہ اڑنچھو ہو گئی تھی۔ انزلہ نے اک نظر نیچے فرش پر دوسرا

اپنے اوپر ڈالی تو ٹانگیں لرزنے لگیں۔ اس کی ذرا سی بے احتیاطی کا نتیجہ ہڈی پسلی ایک ہونا تھا۔ خوف سے اس کا دل بند ہونے لگا، مگر خود کو سنبھال کر نیچے اترنے کی سعی کرنے لگی۔ یہ طے تھا کہ وہ اکیلی یہ کام نہیں کر سکتی تھی۔ اپنے دھیان میں اندر آنے والا سیال کمرے کی اجڑی حالت دیکھ کر ٹھٹکا، پھر جیسے ہی نگاہ اس پر اٹھی اس کا غصہ جیسے عود کر آیا تھا۔

"دماغ خراب ہے تمہارا؟ کیا حالت بنائی ہوئی ہے میرے کمرے کی؟" وہ زور سے چلایا تھا اور اسٹول سے اترنے کی کوشش میں مصروف انزلہ کے ہاتھ سے گرفت چھوٹ گئی۔ وہ اس کی آمد سے غافل تھی۔ دوسری غفلت سے سارا بگاڑ پیدا ہوا تھا اور نتیجے کے طور پر وہ خوف ناک چیخ کے ساتھ نیچے آ رہی تھی۔ وہی ہوا تھا جس کا خدشہ تھا، مگر نہیں اگلے لمحے وہ حیرت اور غیر یقینی کے ساتھ ساکت ہو کر رہ گئی۔ سیال درانی اس کے وجود کو کسی نازک آبگینے کی طرح بانہوں میں سنبھالے کھڑا تھا۔ انزلہ کی متحیر نگاہیں اک پل کو اس کی نظروں سے چار ہوئی تھیں پھر اس نے گڑبڑا کر نگاہ جھکا لی۔ اس کے وجود کی ساحرانہ مہک اور لطیف تپش انزلہ کی گھبراہٹ دوچند کر گئی۔ اس نے کسمسا کر اس حصار سے نکلنا چاہا، مگر مقابل کی گرفت مضبوط تھی۔

"پلیز..... چھوڑیں مجھے۔" وہ منمنائی اور سیال درانی جیسے حواسوں میں لوٹ آیا۔ اک خفت زدہ چور نگاہ انزلہ پر ڈالی، جو ہونٹ کچلتی کمر پر بندھا دوپٹا کھول کر اوڑھنے میں مصروف تھی۔ وہ ہونٹ بھینچے سر جھٹکتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ انزلہ بدحواس سی کچھ اور بھی عجلت میں کام سمیٹ رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ بے چین بے قرار سا اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اک منظر بار بار ذہن کے پردے پر روشن ہوتا۔ خوف زدہ معصوم چہرے پر شاہزادیوں کا سا حسن و جمال تھا۔ لرزتی لانبی پلکوں کا مرتعش سایہ گالوں پر پڑتا تھا تو دہکتے گالوں کی دل کشی میں اضافہ ہونے لگتا تھا۔ لمس کی نرمی، آسودگی عطا کرنے والی گرماہٹ اور پُرسکون حیات پرور لطافت نے اس کے سارے غصیلے اور سر پھرے تاثرات کو موم بنا دیا تھا۔ نفرت و بغض و عناد سب دھرے رہ گئے۔ اس وقت وہ بس اک عام فطری تقاضے رکھنے والا مرد تھا۔ ایسا مرد جو پہلی بار کسی نوجوان لڑکی کے وجود سے اتنا نزدیک ہوا تھا۔ تمام تر شاطری طراری کے باوجود اس کے ذوق کی نفاست اور نخوت کبھی اسے ناجائز منہ ماری پر نہیں اکسا سکی تھی۔ اس کا ایک معیار تھا، بعید ایک وقار تھا۔ جبھی تیس سال کا ہو جانے اور بابا جان و اماں جان کے شدید اصرار کے باوجود شادی نہیں کی تھی کہ وہ یہ کام دل کی مکمل رضا کے ساتھ کرنے کا خواہاں تھا اور دل..... اسے لگا تھا دل ٹھہر گیا ہے، مگر یہ ٹھہرنے کا مقام نہیں تھا۔ جبھی وہ خود سے لڑ اور اُلجھ رہا تھا۔ خود اپنی نفی میں مصروف تھا۔ لیکن یہ جذبہ آغاز میں ہی اتنی شدت لیے ہوئے تھا کہ اسے خود پر اختیار نہیں رہا تھا۔ تب ہی غصہ سے کھولتے ہوئے رکھی کو پکارتا ہوا کچن کی سمت آ گیا۔ جانتا تھا انزلہ اس وقت یہیں ہوتی تھی۔ فی الحال تو بس وہ اسے دیکھنا اُسے پر برسنا چاہتا تھا۔ جس نے بیٹھے بٹھائے اسے عذاب سے دوچار کر دیا تھا۔

"وہ کدھر ہے؟" دل میں چور تھا جبھی پہلی بار وہ ہچکچایا تھا۔ رکھی نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"کون مالک؟ انزلہ بی بی؟" رکھی نے خود قیاس کر کے اس کی مشکل آسان کی۔ سیال نے محض سر کو اثبات میں ہلایا۔

"طبیعت کچھ خراب تھی، چھوٹے مالک۔ ابھی سونے کو کمرے میں گئی ہے۔" سیال نے ہونٹ بھینچ لیے۔ اپنے کمرے کو واپس مڑتا وہ پلٹ کر حویلی کے پچھواڑے جاتے راستے پر ہو لیا۔ وحشت بھرا سناٹا،

ہولناک تاریکی اور رگوں میں خوف جگاتی تنہائی اسے پہلی بار محسوس ہوئی۔ وہ تو اک نازک سی لڑکی تھی۔ کیسے سہ گئی یہ زیادتی بھرا سلوک۔ اس کے اندر پشیمانی سر اٹھانے لگی۔ بے آواز قدموں سے، آمدہ عبور کر کے اس نے یونہی بھڑے ہوئے دروازے کے پٹ کو دھکیلا تو وہ چرر کی ہلکی آواز سے کھلتا چلا گیا۔ وہ سامنے ہی اپنی جھلنگا سی چارپائی پر بیٹھی، اپنی شرٹ کو کاندھے سے پلٹے، زخم پر دوا لگانے میں مصروف تھی۔ آہٹ پر سراسیمہ ہو کر پلٹی، مگر سیال درانی کو روبرو پا کر اس کے مخمل حواس حیرت کی زد میں آ گئے۔

"آ آپ ـــ یہاں؟" وہ خود کو سنبھال کر سرعت سے اٹھی۔ پہلے شرٹ درست کی پھر سرہانے پڑا دوپٹا اٹھایا۔ وہ کتنی گھبرائی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ شاید متوقع عزت افزائی کے خیال سے، مگر سیال درانی تو ابھی تک اس منظر میں گم تھا۔ چٹکی ہوئی چاندنی جیسا پُر شباب سراپا، جیسے لمحہ بھر میں بھی اس کی آنکھوں کو چندھیا گیا تھا۔

"کچھ کام تھا تو مجھے بلوا لیا ہوتا، آپ نے زحمت کیوں کی؟" اسے قدم بڑھا کر نزدیک آتے پا کر وہ ہونٹ کچلتے، ہاتھ مسلتے ہوئے بولی۔ اس درندے سے کیا بعید تھا۔ بلا جواز بھی دھنک کر رکھ سکتا تھا۔ اس کمرے میں وہ دوسری مرتبہ آیا تھا، پچھلی بار کا سلوک انزلہ کے دل پر ثبت تھا۔

"رکھی بتا رہی تھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔ کیا ہوا؟" سیال درانی کے سوال نے انزلہ کو مغالطے میں مبتلا کر دیا۔ اسے لگا اسے سننے میں دھوکہ ہوا ہے۔ جبکہ وہ جواب طلب نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

"ک ـــ کچھ نہیں۔ ٹھیک ہوں میں۔" وہ گڑبڑا کر یہی کہہ سکی۔ سیال گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا اور انزلہ پر گھبراہٹ کے ساتھ بوکھلاہٹ کا بھی غلبہ تھا۔

"بخار تو نہیں ہے۔ آج گرنے سے چوٹ لگی تمہیں؟ لیکن تم نے بتایا نہیں مجھے۔ خیر دکھاؤ کیا ہوا۔" اس نے پہلے ہاتھ بڑھا کر انزلہ کی پیشانی چھوئی تھی پھر مزید گوہر افشانی کی۔ انزلہ تو جیسے حیرت اور تحیر سے مرنے والی ہو گئی۔ یہ بھلا کہاں ممکن تھا۔ لہجہ کتنا معتدل تھا۔ بلکہ کسی حد تک دوستانہ، وہ تو بس زخم دینا جانتا تھا۔ تکلیف کی شدت کی پروا کیوں کرنے لگا تھا بھلا۔

"کچھ نہیں ہوا ہے مجھے، آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔" سیال نے جیسے ہی مزید پیش رفت کرتے ہوئے اس کے زخم کا جائزہ لینے کو قریب آنا چاہا انزلہ جیسے تڑپ کر اس کی پہنچ سے دور ہوئی تھی۔ عہد رفتہ کی تمام کج ادائیاں، ستم ظریفیاں یاد تھیں اسے جو روح کو زخمی کرتی رہتی تھیں۔ سیال درانی اس کی بدتمیزی یا ناگواری کو خاطر میں نہیں لایا اور اپنا کام کر کے رہا تھا۔ اس نے پہلے اس کا دوپٹا ہٹایا پھر شانے سے قمیض کو سرکا دیا۔ اگلا لمحہ اس کے لیے شاک میں مبتلا کر دینے والا تھا۔ وہ ساکن نظروں سے انزلہ کا بری طرح سے فگار کاندھا ملاحظہ کر رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے یہ؟ گرنے سے ایسی چوٹ نہیں لگ سکتی اور تم تو گری بھی نہیں تھیں۔" وہ دم بخود اسے دیکھ رہا تھا۔ انزلہ نے ہونٹ بھینچے رکھے۔ وہ اس بات کا جواب دینا نہیں چاہتی تھی۔ محض پرسوں کی بات تھی جب اس نے انزلہ کو اس کا پرسنل پرابلم خود حل کرنے کا الٹی میٹم دیا تھا۔

"کچھ پوچھا ہے تم سے۔ منہ میں گھونگھیاں کیوں ڈال لیں۔" وہ جتنا جھلایا اسی قدر لہجہ خفگی سمیٹ لایا تھا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ میرے ذاتی مسائل ہیں ایس پی صاحب۔ دوسری اہم بات یہ کہ میں یہاں صرف آپ کی مجرم نہیں ہوں۔ آپ کیا سمجھتے ہیں مجھ پر تشدد یا بہیمانہ سلوک کا پرمٹ صرف آپ نے حاصل کیا ہے۔" ایک عرصے کے بعد وہ اسی نخوت سے بات

کر رہی تھی جو کبھی اس کا طرۂ امتیاز تھا، ناپسندیدہ ہستیوں سے مخاطب ہونے کا۔ سیال پہلے تو سمجھا نہیں جب سمجھا تو جیسے بھونچکا رہ گیا تھا۔

"یو مین، تمہیں کسی نے جان بوجھ کر مارا ہے۔ کس نے؟" وہ یکایک غصے سے سرخ پڑنے لگا۔ انزلہ تمسخر سے مسکرائی پھر کاندھے جھٹک دیے تھے۔

"جا کر پوچھ لیجیے اپنے سگوں سے۔ ظاہر ہے ان کے علاوہ کسی ملازم کی ایسی جرأت تو ہو نہیں سکتی۔" وہ زہر خند سے کہہ کر رخ پھیر گئی۔ سیال درانی نے ہونٹ بھینچ لیے تھے، پھر کچھ کہے بغیر جھٹکے سے پلٹ گیا۔

☆.....☆.....☆

"یہ چائے ہے یا جوشاندہ۔ اماں جان اگر اس ڈگر کو ابھی تک اتنا سا کام نہیں کرنا آیا تو بھینسوں کے باڑے میں بھیج دیں۔ وہ جگہ زیادہ مناسب ہے اس کے لیے۔" امجد نے چائے کی ایک چسکی لے کر ہی طیش کے عالم میں کپ دیوار سے دے مارا تھا۔ انزلہ ہونٹ بھینچے ساکن کھڑی رہ گئی۔ امجد کے ساتھ ہر طرف سے انزلہ پر لعنت ملامت کی بوچھاڑ ہونے لگی۔

"کیا ہو گیا ہے امجد۔ چائے نہیں پسند تو رکھی یار جو سے کہہ کر بنوا لو، خوامخواہ ہنگامہ نہ کرو۔" سیال کے چہرے پر ناگواری و برہمی کا تاثر تھا۔ امجد کے ساتھ اماں جان نے بھی ٹھٹک کر اس کی شکل دیکھی، مگر وہ خود کو لاتعلق ظاہر کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے لڑکی، تم جاؤ اور رکھی سے کہو چائے بنا کر دے جائے۔" احسان شیر درانی نے معاملہ سمیٹا۔ انزلہ باہر نکل گئی۔

"مجھے نہیں کرنا ناشتا۔" امجد پھولے منہ کے ساتھ اٹھ گیا۔ اماں جان پکارتی رہ گئیں پھر اٹھ کر اس کے پیچھے بھاگیں۔

"تم کتنے دنوں کے لیے ہو یہاں سیال۔" احسان درانی نے امجد کی ناراضی کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔

"کچھ دن مزید رکوں گا..... خیریت؟" سیال ٹوسٹ ٹھونگ رہا تھا۔ انداز سے بے رغبتی عیاں تھی۔

"تمہاری خالہ سکینہ ہے نا، اس کی بیٹی سے میں تمہاری نسبت ٹھہرانے کا سوچ رہا ہوں، جلد ہی شادی بھی کر دیں گے۔ بیٹے اب اور دیر نہ کرو، میں اولاد کی خوشیاں دیکھنا چاہتا ہوں۔" سیال نے یکدم ہاتھ سے چھری اور کانٹا چھوڑ دیا اور کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اس معاملے کو ابھی رہنے دیں بابا جان۔" اس کا انداز قطعی اور دوٹوک تھا، جو احسان درانی کو برا لگا۔

"کیوں رہنے دوں؟ اور کتنا وقت برباد کرو گے؟" وہ برہم نظر آنے لگے۔ سیال نے دانستہ خاموشی اختیار کی۔

"کچھ پوچھا ہے تم سے سیال۔ اب یہ اوقات ہے تمہارے نزدیک میری بات کی۔" وہ پھٹ پڑے۔

"فار گاڈ سیک بابا جان۔ پلیز ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ، کچھ تو مہلت دیں مجھے۔ میں بہت جلد خود آپ سے بات کروں گا۔" وہ کچھ اتنے عاجز انداز میں بولا تھا کہ احسان درانی کو خاموش ہونا پڑا۔ سیال مضطرب سا وہاں سے اٹھ آیا۔ بیرونی حصے کی جانب جاتے اس نے انزلہ کو دھونے والے کپڑے سمیٹ کر پچھلے آنگن میں جاتے دیکھا تو جانے کیا سوچ کر اس کے پیچھے آ گیا۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔ رات کو میرے کمرے میں آنا۔" اپنی بات کہہ کر وہ رکا نہیں تھا جبکہ انزلہ ایک قدم آگے نہیں بڑھا سکی تھی۔

پھر رات کو بھی رکھی کے ذریعے سیال نے دوبارہ اسے پیغام بھیجا تھا۔ ناچار اسے جانا پڑا تھا۔

"آپ نے بلوایا تھا۔" وہ کمرے کے وسط میں رک کر جھکی نظروں سے بولی تھی۔ سیال بستر سے اٹھ کر اس کے مقابل آ گیا۔

"آج بابا جان نے مجھ سے میری شادی کی بات کی ہے۔ وہ میری نسبت میری خالہ زاد کزن سے ٹھہرانا چاہتے ہیں۔" اپنی بات کا تاثر دیکھنے کو اس نے انزلہ کے چہرے پر نظر جمادی مگر اس کا سپاٹ چہرہ اس کی غیرت پر تازیانہ بن کر لگا تھا۔

"تم نے سُنا کیا کہا میں نے؟" وہ جتنا بھی جھنجلایا تھا مگر لہجے سے ظاہر نہیں ہونے دیا۔

"شاید آپ یہ اس لیے مجھے بتا رہے ہیں کہ مجھ سے مبارک باد کے خواہش مند ہیں تو ٹھیک ہے میں مبارک....."

"شٹ اپ ـــ جسٹ شٹ اپ، تم ہو کیا؟ تمہاری اوقات کیا ہے۔ ذرا سی اہمیت تمہیں دے دی تو سر پر چڑھنے لگی ہو۔" وہ پھٹ پڑا تھا۔ جذبوں پر انا کا نقاب چڑھا کر انا کا پرچم بلند رکھنے کی کوشش میں وہ پھر سے اسے ذلیل کرنے میں مشغول تھا۔ انزلہ کی جانب سے خاطر خواہ ردعمل نہ پا کر اس کی مردانہ انا بلبلا اٹھی تھی۔ وہ چاہتا تھا، اس اہم بات کو سُن کر وہ عام بیویوں کی طرح تڑپ اٹھے۔ روئے، بلکے اس سے فریاد کرے، مگر وہ بھول گیا تھا اپنی طرف سے ہر قسم کی خوش گمانی کا جذبہ اس نے خود انزلہ کے دل سے ختم کیا تھا۔ اس دگرگوں حالات کے باوجود وہ فطری تقاضوں سے مبرا نہیں ہوئی تھی، مگر سیال کی سفاکی اور بے حسی نے اُسے ایسا کر دیا تھا۔

وہ اتنی خوش فہم تو کبھی نہیں تھی کہ اسے بیویوں والے مرتبے پر فائز کرے گا، مگر جس طرح اس نے قدم قدم پر انزلہ کے احساسات و جذبات کو پامال کیا تھا، اس کے بعد وہ اب اس کی توقعات پر پوری کیسے اتر سکتی تھی۔ انزلہ نے جھکے سر کے ساتھ اس کی لعنت ملامت معمول کے مطابق سہی تھی، پھر اسے دیکھ کر اس بے حس کٹھور انداز میں اجازت طلب کی۔

"میں جاؤں اب؟" اس کے اس انداز نے گویا سیال کے زخموں پر نمک پاشی کر دی تھی۔

"ہرگز نہیں..... جوتے اتارو میرے، پھر ٹانگیں دباؤ۔ جب تک میں نہ کہوں تم نہیں ہٹو گی۔" اپنے مخصوص ہٹ دھرم پُرنخوت اور کسی قدر جھنجلائے انداز میں کہہ کر وہ بستر پر دراز ہو گیا۔ اسے دراصل خوش فہمی لاحق تھی کہ انزلہ اس کے سامنے مضبوطی کا خول چڑھائے ہوئے ہے۔ وہ اس خول کو اپنے ساتھ رکھ کر ہٹانے کا متمنی تھا۔ اس کی جاگیردارانہ انا اس بات کی شدت سے متقاضی تھی۔

دوسرے وہ انزلہ کو اپنے قدموں میں جھکا کر ایک بار پھر اس پر اس کی اوقات واضح کرنا چاہتا تھا۔ انزلہ بلا توقف آگے بڑھ کر اس کے جوتے اور موزے اتارنے لگی پھر بستر کی پائنتی پر ٹک کر اس کے پیر دبانے کا فریضہ انجام دیتے اس کے گمان تک بھی نہیں تھا کہ نرم ہاتھوں کا رسیلا گداز لمس سیال کے وجود میں کیسے بھنور ڈال رہا ہے۔ تکیے پر سر رکھے وہ نیند میں جھومتی انزلہ کے سحر طراز مکھڑے کو نا چاہتے ہوئے بھی نگاہ کی زد پر رکھے تھا کہ دل وحشی کا فی الحال بس یہی ایک مطالبہ تھا، مگر ذہن میں مردانہ انا کی جنگ بلبلاہٹ پیدا کر رہی تھی۔ وہ ہرگز بھی اس کے سامنے جھکنے کو تیار نہیں تھا۔

"بعد میں سو لینا۔ دو منٹ کی خدمت بھی تم پر بار بن رہی ہے۔" سیال نے قہر بھرے انداز میں اپنی ٹانگ کو زوردار جھٹکا دیا، جس کے نتیجے میں نیند میں جھومتی انزلہ آدھی سے زیادہ اس پر گر سی گئی۔ وہ سٹپٹا کر تیزی سے الگ ہوئی، مگر اتنی سی دیر میں سیال درانی کے وجود میں اک قیامت برپا ہو گئی تھی۔ اپنے جذبوں کی لپک اور تقاضوں سے گھبراتا وہ چہرے کا رخ پھیر گیا، پھر اس نے سائیڈ دراز کھول کر نیند کی گولی نکال کر پانی سے پھانکی اور منہ پر تکیہ رکھ لیا۔ فی الحال اس کے پاس اس مسئلے کا یہی حل تھا۔ اگلے چند لمحوں میں وہ انزلہ سے ہی نہیں خود سے بھی غافل ہو چکا تھا۔

دوبارہ آنکھ کھلی تو کسلمندی سے اٹھتے ہوئے اس کی نگاہ ٹھٹک گئی تھی۔ وہ اس کے پیروں کی جانب گٹھڑی بنی سو رہی تھی۔ لانبے بال کھل کر دور تک بکھرے تھے اور دوپٹا آدھے سے زیادہ نیچے دبا ہوا تھا۔ صبیح چہرے کی معصومیت میں صبح کی ساری تازگی، سارا اجالا سمٹا ہوا تھا۔ وہ تو جیسے دل تھامے اسے دیکھتا رہ گیا۔ رات کی قیامت کیا کم تھی، اس پر یہ افتاد۔

"اے..... اٹھو اور بھاگ جاؤ یہاں سے، ایسا نہ ہو کوئی تمہیں دیکھ لے۔" سیال نے ہونٹ بھینچے ہوئے اسے آگے بڑھ کر جھنجوڑ دیا۔ انزلہ نے آنکھیں کھولیں تو اسے خود پر جھکے پا کر جھجک سی گئی۔ جیسے ہی اسے اپنی پوزیشن کا خیال آیا، اس کا چہرہ یکلخت دہک گیا تھا، گویا وہ ساری رات وہاں رہی۔

"اس کے بجائے اگر تم وہاں ہوتیں تو میں تمہاری موجودگی کے احساس سے اتنا غافل نہ رہتا۔ اپنی ویز آئندہ اس بات کا خیال رکھنا۔" پائنتی سے بیڈ کے داہنی جانب اشارہ کرتا وہ مسکراہٹ دبا کر جس ذومعنی لہجے میں بولا تھا اُس نے انزلہ کا دل اتنی زور سے دھڑکایا تھا کہ اس کا شور کانوں کے پردے پھاڑنے کے درپے ہو گیا۔ وہ الٹے سیدھے جوتے پہن کر گرتی پڑتی باہر نکلی تھی۔

☆.....☆.....☆

"تم کیا سمجھتی ہو کہ تم میری پہنچ سے باہر ہو۔ یا پھر میں ڈرتا ہوں تم سے؟" اماں جان کے کمرے سے ناشتے کے خالی برتنوں کی ٹرے لے کر وہ کچن کی سمت جا رہی تھی۔ جب راہداری سے اسجد کے کمرے کے سامنے سے گزرتے اسے اسجد نے بازو سے پکڑ کر اتنی سرعت سے اپنے کمرے میں کھینچا تھا کہ اس کے اوسان خطا ہو کر رہ گئے۔ ٹرے اس کے ہاتھ سے چھوٹی اور تمام برتن زمین بوس ہو گئے، مگر دبیز کارپٹ کی موجودگی کے باعث چھناکا ہوا نہ کرچیاں بکھریں۔ اس کے باوجود انزلہ کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑتے چلے گئے تھے۔

"ساری رات کہاں تھیں تم، اگر اپنے کمرے میں نہیں تھیں؟" وہ آنکھیں نکال کر پوچھ رہا تھا۔ انزلہ کو صاف لگا وہ شیطان پھر اس کی تلاش میں وہاں پہنچا تھا، مگر امداد غیبی کے باعث وہ پھر محفوظ رہی تھی۔

"میرا راستہ چھوڑو، مجھے جانے دو..... ورنہ میں چیخ چیخ کر سب کو اکٹھا کر لوں گی۔" انزلہ نے خائف ہوئے بغیر نفرت سے اسے دیکھ کر گویا تنبیہ کی تھی۔ پچھلے کچھ دنوں سے اس پر عجیب سی بے حسی طاری تھی۔ رات جس طرح اس نے اپنی ترش روی سے سیال کے چھکے چھڑائے تھے، اسجد کی حیثیت ہی کیا تھی۔

"مجھے لگتا ہے۔ آتشی لکڑی کی اس ضرب اور جلن کو بھول گئی ہو تم۔ بڑی اکڑ ہے تم میں، مگر کسی کام نہیں آئے گی۔ سنو کب تک اپنی اس خوبصورتی اور جوانی کو روک لو گی۔ سیال بھائی کے سینے میں دل نہیں ہے۔ عورت ذات میں ان کی رغبت بھی کچھ خاص نہیں۔ تمہارے تقاضے مجھ سے پورے ہو سکتے ہیں اور کسی کو خبر....." اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ غم و غصے اور برداشت کو کھوتی انزلہ کا ہاتھ اٹھا تھا اور زناٹے دار تھپڑ کی صورت اس کا چہرہ گھما کر رکھ گیا۔

"جاؤ یہ گال جا کر اپنے باپ اور باقی گھر والوں کو دکھاؤ ورنہ تمہارا گھناؤنا روپ میں خود بتا دوں گی انہیں۔" وہ اس وقت آتش فشاں لاوے کی صورت پھٹ پڑی تھی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا سامنے کھڑے اسجد کا خون پی جائے یا اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ دوسری سمت اسجد تھا۔ جو حیرت کی زیادتی سے گنگ تھا۔

"تمہاری یہ جرأت؟ اب دیکھنا میں کرتا کیا ہوں تمہارے ساتھ۔" وہ خطرناک تیوروں کے ساتھ انزلہ کی سمت بڑھا، اس سے قبل کہ کوئی گستاخی یا بدتمیزی کرتا، ان کی ساری بات سنتا دروازے میں کھڑا سیال

اندر گھس آیا..... گویا کوئی طوفان آ گیا تھا۔ اس نے بپھرے ہوئے انداز میں آگے بڑھ کر امجد کے چہرے پر بھرپور تھپڑ مارا تھا۔ پھر دوسرا، پھر تیسرا، وہ جیسے سراپا قہر تھا۔ انزلہ کی جان ہوا ہو کر رہ گئی۔ اس معاملے کی گمبھیرتا کا شدت سے احساس جاگا تھا۔ وہ اتنا مشتعل تھا کہ امجد کی لمحوں میں حالت بگاڑ دی تھی تو اس کے ساتھ کیا سلوک کر سکتا تھا۔ یہ سوچ کر وہ لرز گئی تھی۔ امجد کی چیخ پکار وضاحت سب کچھ اس کا ہاتھ روکنے میں ناکام تھا۔ سیال کے اندر اس وقت بھانبھڑ جل رہے تھے۔ اتنی تپش تھی کہ سارا وجود جل اٹھا تھا۔ یہ خیال، یہ سوچ ہی ناقابلِ برداشت تھی کہ اس کے بھائی نے، سگے بھائی نے اس کی عزت پر میلی نگاہ ڈالی تھی۔

"میری بات تو سنیں بھائی جان۔ یہ خود مجھے بہکاتی تھی۔ رات بھی میرے کمرے میں آئی تھی، منع کرنے کے باوجود ساری رات....." امجد اپنی پوزیشن سنبھالنے کے چکر میں اس پر بہتان باندھنے لگا۔ انزلہ کی ٹانگوں سے جیسے جان نکلتی چلی گئی۔ سیال کے زوردار گھونسے نے بات مکمل نہیں ہونے دی۔

"بند کرو یہ گھٹیا بکواس، سمجھے تم۔" اس نے امجد کے بالوں کو پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا تھا۔ وہ اس وقت انزلہ کو وہی غصے میں پاگل ہو کر حواس باختہ سیال لگا تھا جس سے اس کی ملاقات شادی کی رات ہوئی تھی۔

"تو پھر پوچھیں اس سے، اگر یہ اپنے کمرے میں نہیں تھی تو کہاں تھی۔" الزام و شکوک سے بوجھل نفرت زدہ پھنکارتا لہجہ لفظوں کی برچھیاں انزلہ کے دل میں اتر کر زخمی کرتی چلی گئیں۔

"یہ رات میرے ساتھ تھی، میرے کمرے میں۔ مل گیا تمہیں ثبوت۔" اس کا جملہ امجد اور انزلہ کے لیے ہی نہیں اس ہنگامے کی ملازمہ کے ذریعے اطلاع پا کر افتاں و خیزاں اندر آتے بابا جان اور اماں جان نے بھی سنی تھی اور ان پر جیسے اس پل ڈبل قیامت ٹوٹ پڑی۔

خون آلود امجد کا چہرہ، بکھرا حلیہ اور آپے سے باہر ہوا مرنے مارنے کے تاثرات لیے سیال درانی، وہ تو جیسے ڈھ گئے تھے۔

"تو بالآخر اس ناگن کا حسن تمہارے سر چڑھ کر بول ہی پڑا۔" وہ زہر خند سے پھنکارے اور امجد کو کھینچ کر اس کی پہنچ سے دور کیا۔ سیال نے سرخ دہکتی نظروں سے ان کی آنکھوں کی نفرت کو دیکھا تھا۔

"اس سے پوچھیں بابا جان۔ یہ انزلہ کو کس انداز میں بلیک میل کر رہا تھا۔" وہ جیسے ابھی تک اس صدمے سے باہر نہیں آیا تھا۔ احسان کی آنکھوں میں طنز اور تمسخر ایک ساتھ لہرائے۔

"جس انداز میں بھی کر رہا تھا۔ تم بتاؤ، یہ رات تمہارے کمرے میں کیا کر رہی تھی اور تمہیں اتنی معمولی بات کی خاطر بھائی پر ہاتھ اٹھانے اور اتنا مشتعل ہونے کی ضرورت پیش کیوں آئی؟" ان کا لہجہ سرد تھا۔ سیال کو ان کے انداز نے شاکڈ کر ڈالا۔

"معمولی بات؟ بابا جان یہ اتنا بے غیرت کب سے ہو گیا کہ اپنی بھرجائی پر غلط نظر ڈالنے کا سوچا۔ ابھی میں مرا نہیں تھا کہ اسے غیر محفوظ تصور کرتا۔" وہ پھٹ پڑا تھا مگر بابا جان کی سرد مہری میں فرق نہیں آ سکا۔

"تم مجھے یہ بتاؤ، تم کب سے اسے اپنی غیرت اور حمیت تصور کرنے لگے؟ خون بہا میں آنے والی عورت سے ہر قسم کے سلوک کی گھر والوں کو اجازت ہے سمجھے تم؟" ان کے لہجے کی سفاکی نے سیال کے وجود میں نیزہ گاڑ دیا تھا۔

"آئی ایم سوری بابا جان۔ میں ایسا نہیں سمجھتا۔ اگر نکاح ہوا ہے تو اس کا مطلب نکاح میں آنے والی عورت کی عزت و آبرو کے ساتھ نان نفقے کی ذمے داری خود بخود مرد کے سر آ جاتی ہے۔ میری کسی بات سے آپ کو اختلاف کیوں ہوا آخر۔" اس کا چبھتا ہوا لہجہ جواب طلب تھا۔ بابا جان کے جیسے سر پر لگی۔

"تو پھر ٹھیک ہے، اگر تم ایسا سمجھتے ہو تو اس ذمے داری سے نجات حاصل کر لو۔ دے دو اسے طلاق، پھر تمہیں اس کے ساتھ ہونے والے سلوک پر اختلاف ہوگا، نہ غیرت کو جوش آ سکے گا۔" الفاظ تھے کہ پگھلا ہوا سیسہ، سفاکی کا یہ مظاہرہ انزلہ کے ہوش اڑا کے رکھ گیا۔ اسے لگا زمین اس کے قدموں تلے دلدل بن چکی ہے اور اس دلدل میں وہ تیزی سے دھنس رہی ہے، اسے نئی فکر پڑ گئی۔ سیال سے اسے کوئی اچھی امید نہیں تھی کہ خوش فہمی پالتی، وہ بے جان ہوتی نیچے بیٹھ گئی۔

"طلاق دے دوں تاکہ اس کے ساتھ ہونے والے بہیمانہ سلوک میں اور شدت آ جائے۔ بابا جان ابھی مجھ میں تھوڑی سی انسانیت باقی ہے۔ معذرت خواہ ہوں میں آپ کا حکم نہیں مان سکتا۔"

"تم جانتے ہو سیال کیسے انکار کر رہے ہو تم؟ اک حقیر لڑکی کی خاطر باپ اور بھائی کو جھٹلاؤ گے بیٹے۔" احسان درانی نے پینترا بدلا تھا۔ سیال سرخ چہرے کے ساتھ انہیں دیکھے گیا۔

"واضح رہے بابا جان، یہ حقیر لڑکی نہ صرف انسان ہے بلکہ سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ بے گناہ ہے۔"

"مگر یہ خون بہا میں آئی ہے۔"

"اب میری بیوی ہے۔ خون بہا میں آنے والی عورتوں کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرنے کا کہاں حکم ہے۔" اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔ کمرے میں سناٹا در آیا۔ انزلہ ہونق بیٹھی ٹکر ٹکر اسے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے اب امجد پر بھروسا نہیں۔ میں کل جاتے ہوئے انزلہ کو اپنے ساتھ شہر لے کر جاؤں گا۔" اس نے فیصلہ سنا دیا اور جیسے اک قیامت ٹوٹ پڑی۔ خود پر بہ مشکل کنٹرول کیے احسان درانی کا ضبط چھلک گیا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر جھپٹ کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"ایسا کرنے سے پہلے تم میری لاش سے گزرو گے۔" سیال نے لہو ٹپکاتی نظروں سے کچھ دیر انہیں دیکھا تھا، پھر ان کا ہاتھ گریبان سے ہٹا کر یکدم واپس پلٹا اور جیکٹ کی جیب سے پلک جھپکتے میں ریوالور نکال کر اپنی کنپٹی پر رکھ لیا۔

"اگر موت کا یہی کھیل رچانا ہے تو پھر آپ کو اس زحمت کی ضرورت نہیں۔ آج جس طرح رشتوں سے میرا اعتماد اٹھا ہے۔ زندگی کی اتنی خواہش بھی باقی نہیں رہی۔ آپ میری موت کے بعد اس کے ساتھ جو چاہے سلوک روا رکھ سکتے ہیں۔"

احسان درانی اس کے ان جملوں کی کاٹ سے ہی سارا ناز و غرور اور اکڑ بھول گئے۔ سیال کے تیور ایسے تھے کہ وہ اگر اک لمحے کی بھی تاخیر کرتے تو اب تک ریوالور سے نکلی گولیاں اسے زندگی کی قید سے آزاد کر چکی ہوتیں۔ انہوں نے بجلی کی سی تیزی سے اس کا ہاتھ اوپر اٹھایا تھا اور گولیاں چھت میں جا کر لگی تھیں۔ کمرے میں نسوانی چیخوں کے ساتھ فائرنگ کی آواز کی بازگشت پن کر کتنی دیر تک ابھرتی رہی..... ہر کوئی سراسیمہ اور بدحواس تھا۔ سوائے سیال درانی کے۔ اس کا اشتعال کچھ اور بڑھ گیا تھا۔

"چھوڑیں مجھے۔" وہ سرخ چہرے کے ساتھ باپ سے بھڑتا ریوالور چھیننے کی سعی کر رہا تھا۔

"ہوش میں آؤ سیال، کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ ٹھیک ہے۔ تم اسے ساتھ لے جانا چاہتے ہو..... لے جاؤ۔" احسان درانی نے پہلے ریوالور کا چیمبر کھول کر گولیاں نکالی تھیں، پھر اسے قابو کرتے ہوئے بولے تھے۔ اماں جان تو کب کی زخمی امجد کو لے کر وہاں سے جا چکی تھیں جبکہ انزلہ پھٹی آنکھوں سے سکتہ زدہ کیفیت میں یہ ساری کارروائی دیکھ رہی تھی، یوں جیسے خواب کی حالت میں ہو۔

"ک..... کیا ہوا؟ گولیاں کہاں چلی ہیں؟" کچھ دیر بعد پھر اماں جان وہاں آئی تھیں۔ ان کا چہرہ خوف سے زرد پڑ رہا تھا مگر کسی کے پاس جواب دینے کی

فرصت نہیں تھی۔ احسان درانی ہنوز سیال کو سمجھا بجھا رہے تھے۔ اماں جان کی بھی سب خیریت دیکھ کر تسلی ہوگئی تھی۔ اک انزلہ تھی جس کا سکتہ ہنوز قائم تھا۔

☆.....☆.....☆

"السلام علیکم مادام! کیسی ہیں؟" وہ اپنی سوچوں میں گم کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اسلام آباد کا مخصوص خنک موسم اپنے اندر بے پناہ خوبصورتی سمیٹے ہوئے تھا، مگر اس کے دل کی یاسیت اپنی جگہ قائم و دائم تھی۔ جب سیال درانی نے آکر اسے چونکا دیا۔ انزلہ نا چاہتے ہوئے بھی پلٹی۔ اس دوران سیال اپنے سر سے کیپ اتار کر اسے پہنا چکا تھا۔ فل یونیفارم میں اپنے اونچے شاندار سراپے کے ساتھ وہ مسکراتا ہوا روبرو تھا۔

"چائے لاؤں آپ کے لیے یا کھانا کھائیں گے۔" انزلہ کا چہرہ جیسا سپاٹ تھا ویسا ہی رہا۔ لہجہ مخصوص عاجزی اور غلامانہ انداز لیے ہوئے تھا۔ سیال اسے وہاں سے ساتھ لے آیا تھا اور اس کی ہر پوزیشن تبدیل کردی تھی۔ جس کی وہ مستحق تھی، مگر سیال اس کے چہرے پر ہزار جتن کے باوجود مسکراہٹ کے کنول نہیں کھلا سکا تھا۔ بجھی ہوئی آنکھوں میں زندگی نہیں لوٹا سکا تھا۔ اور یہ ناکامی سیال کی سب سے بڑی ناکامی تھی۔

"کیا تم میرے ساتھ خوش نہیں ہو انزلہ؟" جس روز وہ اسے پہلی بار اپنے بیڈروم میں لے کر گیا اور اس کو حیثیت دینی چاہی گویا اس سے اس کی رضامندی کے طور پر پوچھا تھا۔ جواب میں انزلہ کے لبوں پر زہر خند پھیل گیا تھا۔

"اس بات کی حیثیت اب باقی نہیں رہی، جانے دیں اس سوال کو۔" وہ رکھائی سے کہہ گئی، مگر سیال اپ سیٹ ہوگیا تھا۔

"میرے نزدیک اس بات کی اہمیت ابھی بھی موجود ہے، تم بتاؤ مجھے۔" وہ اصرار کرتا چلا گیا تھا۔

"میرے دل میں فی الحال کوئی جذبہ، کوئی احساس نہیں ہے ایس پی صاحب۔ یہ ہے تو سچ مگر تلخ ہے۔" وہ طنز سے مسکرا رہی تھی۔ سیال کا چہرہ پھیکا پڑ گیا، مگر اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

"جو کچھ میں نے تمہارے ساتھ کیا، اس کے بعد ایسا رویہ کچھ عجیب بھی نہیں، بہرحال میں زبردستی کا قائل نہیں ہوں۔ انتظار کرسکتا ہوں اُس وقت کا، جب تم دل کی آمادگی سے مجھے قبول کروگی۔" سیال درانی کے جواب نے انزلہ کے چہرے پر موجود طنزیہ مسکراہٹ گہری کردی۔

"اگر یہ انتظار طویل ہوگیا۔ مطلب ساری زندگی آپ کی اُمید نہ بر آئی تو.....؟" وہ پتا نہیں کیا جاننا چاہتی تھی۔ سیال نے گہرا سانس بھرا، پھر مسکرا کر اس کے گال تھپکے تھے۔

"اول تو مجھے اپنی محبت پر بھروسا ہے..... ایسا ہوگا نہیں۔ اگر ہوا تو بھی میں اپنی قسمت پر صبر کروں گا۔"

"اتنے صابر کب سے ہوگئے آپ؟" انزلہ کو پتا نہیں کیوں غصہ آگیا تھا۔

"تمہارے صبر کو دیکھ کر تم سے محبت ہوئی، پھر تمہاری محبت میں صبر کرنے کی عادت ہوگئی۔ ابھی کیا صبر نہیں کررہا؟" آخر میں اس کا لہجہ کچھ شرارتی ہوگیا تھا۔ انزلہ کی پلکیں لرز کر جھک گئی تھیں۔ اس کے بعد سے ان کے درمیان فاصلوں کی خلیج چلی آرہی تھی۔ سیال اپنے طور پر اسے خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش میں مصروف رہتا تھا۔

"انکل آفاق اُسی اسلام آباد والے بنگلے میں ہوتے ہیں انزلہ۔ تم چاہو تو میں تمہیں ان سے ملوا سکتا ہوں۔" سیال نے محبت سے اسے دیکھا تھا۔ وہ نفی میں گردن ہلانے لگی۔

"میں انہیں اُس شرمندگی کے احساس سمیت نہیں مل سکتی۔" جواب دیتے ہوئے اس کی نظروں کی ملامت کا احساس سیال کو شرمندگی سے دوچار کرگیا۔ وہ سمجھ سکتا

تھا۔ انزلہ اسے کون سا حوالہ دے رہی ہے۔ جب اس نے دھمکی کے زور پر اسے اپنی پوزیشن خود آکورڈ کرنے کا حکم دیا تھا۔

"میں انکل کو سب کچھ بتا چکا ہوں انزلہ! ساری حقیقت۔ انہوں نے معاف بھی کردیا تھا مجھے..... بس انہیں یہ خبر نہیں کہ تم یہیں ہو اسلام آباد میں۔" اس انکشاف نے انزلہ کو پوری جان سے ہلا کر رکھ ڈالا۔ سیال اسے بغور تک رہا تھا۔

"پھر کیا خیال ہے اس بارے میں؟"

"میں وہاں چند دنوں کو نہیں جاؤں گی۔ اگر واپسی کا فیصلہ میری مرضی کے مطابق ہو تو چلی جاتی ہوں۔" سیال نے مسکرا کر کاندھے اچکا دیے، گویا اسے اختیار سونپ دیا۔

"مجھے اعتراض نہیں ہے، تم جب چاہو آجانا۔" وہ اس کے معاملے میں کتنا فراخ دل ثابت ہو رہا تھا۔ یہ انداز تب دل نشین ہوتا اگر درمیان میں یہ ساری تلخیاں نہ آچکی ہوتیں، پھر یوں اس کی قید بامشقت ختم ہوئی تھی اور وہ آفاق شیرازی کے پاس چلی آئی تھی۔

سیال کا گھر چھوڑنے سے قبل اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ لوٹ کر نہیں آئے گی، لیکن جب سیال پہلی بار اس سے ملنے آیا تو اس کا تیکھا سرد رویہ دیکھ کر جتنا بھی حیران ہوا ہو لیکن اسے جتلایا نہیں تھا، مگر انزلہ نے خود اس کی ہر امید توڑ دینا ضروری خیال کیا تھا۔

"یہ انتظار لاحاصل ہے، ایس پی صاحب! بہتر ہے آپ واپس اپنے والدین کی طرف لوٹ جائیے۔ وہاں شادی ہونے والی تھی نا آپ کی؟" اور ضبط کی کوشش میں سیال کا چہرہ سرخ ہوتا چلا گیا تھا۔

"میری شادی ہوچکی ہے۔"

"وہ محض انتقامی کارروائی تھی۔ اس بات کا اعتراف آپ خود بھی کرچکے۔" وہ طنز سے باز نہیں آئی۔

"وہ میری نادانی تھی انزلہ، میں معافی طلب کرچکا ہوں تم سے۔" وہ اب کتنا بے بس نظر آتا تھا اس کے سامنے۔

محبت بھی انوکھا کھیل ہے۔ شاہوں کو گدائی پر اکساتی ہے۔ ہیرے موتی مٹی میں رول دیتی ہے۔ وہ بھی رُل جانے پر مجبور تھا۔ یہ دیار دل تھا۔ یہاں حکم یار کی ہی شنوائی تھی۔

"میں کبھی معاف نہیں کروں گی تمہیں ایس پی سیال درانی، یاد کرو تم نے ہر قدم پر مجھے مایوسی اور ناامیدی سے نوازا تھا۔" وہ چیخ اٹھی۔ سیال مضطرب کھڑا تھا۔ اس نے متاسفانہ سانس کھینچا۔

"ٹھیک ہے انزلہ۔ میں اب تمہیں مجبور نہیں کروں گا، تم ہر فیصلے میں آزاد ہو۔" وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔ انزلہ کے دل میں سیال کے چہرے کی مایوسی اور اندر کی ٹوٹ پھوٹ نے انوکھی تسکین جگائی تھی۔ وہ بھول گئی تھی کہ یہ خوشی سطحی خوشی ہے اور اللہ کو بدلہ لینے والوں سے زیادہ معاف کرنے والے لوگ پسند ہیں۔

☆—☆—☆

"انزلہ۔" وہ تیز قدموں سے مارکیٹ سے باہر آرہی تھی۔ اپنے نام کی پکار میں اپنائیت کو پا کر ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گئی۔ اگلے لمحے سیال درانی اس کے ہم قدم تھا۔

"کیسی ہو؟" وہ اس کا چہرہ جانچ رہا تھا۔ اس کی نظریں انزلہ کے خدوخال کو جذب کررہی تھیں۔ انزلہ اس انداز سے مجبور ہونے لگی۔

"آپ کو کچھ کام تھا مجھ سے؟" اس کی آواز میں محسوس کی جانے والی رکھائی تھی۔ سیال کا چہرہ پھیکا پڑا۔

"تمہیں دیکھنے، تمہیں ملنے کو دل کررہا تھا۔ گھر آنے پر تو تم پابندی لگا چکی ہو۔" وہ شاکی ہوا تو انزلہ کی پیشانی پر شکنیں پڑنے لگیں۔

"جیسے اتنے ہی تو آپ فرمانبردار ہیں ناں

میرے۔" اس کے جل کر کہنے پر سیال شرارت بھرے انداز میں ہنسنے لگا۔

"اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں نکلتی۔ کیسی کیسی پابندیاں لگائی ہیں خود پر، گواہ ہو تم بھی مسز۔" معنی خیز لہجے کی سنسناہٹ نے انزلہ کو سُن کر ڈالا۔ وہ فوری طور پر کوئی ردعمل نہیں دے سکی۔

"اگر ایسی ہی فرمانبرداری کا دعوہ ہے تو ثبوت فراہم کر دیں ابھی۔ اس بندھن کی قید سے آزاد کر دیں مجھے۔ کورٹ کی خواری سے بھی بچ جائیں گے ایس پی صاحب۔" اس نے اپنی جھنجلاہٹ اس انداز میں نکالی تھی۔ لہجے کے کاٹ دار طنز نے جیسے دل لخت لخت کر دیا۔ سیال کا خوبرو چہرہ ایکدم سے پھیکا پڑتا چلا گیا تھا۔

"عین ممکن ہے اس کی ضرورت پیش نہ آئے اور تمہیں اس بندھن کے تمام تر ناگوار تقاضوں سے نجات حاصل ہو جائے۔ آج رات اہم مشن پر ہوں۔ مرنے کے چانسز بھی ہیں۔ ایسے وقت میں دُعا کیجیے آپ کا مطالبہ اسی انداز میں پورا ہو جائے۔" اب وہ چہرے کا رُخ پھیرے سپاٹ انداز میں گویا تھا۔ انزلہ کے دل کو دھچکا سا لگا۔ وہ لمحہ بھر کو چپ سی ہوئی۔

"ایسا کون سا مشن ہے؟" وہ خاصی تاخیر سے بولی تو لہجے میں خود بخود نرمی اور اک بوجھل پن اتر آیا۔ وہ بے اختیار رُک گئی تھی۔ سرد ہوا کے جھونکے اس کی شال کا پلو اڑانے لگے تھے۔ سیال نے سرد آہ بھری۔

"اس شعبے کے ساتھ بہت بددیانتی کر چکا ہوں۔ اب کہیں جا کے اپنی ذمے داری کا احساس ہوا تو ازالے کی معمولی سی کوشش کی ہے۔ انزلہ میرا وعدہ ہے۔ اگر زندہ بچ گیا تو تمہارا مطالبہ پورا کر دوں گا..... دوسری صورت میں تو....."

"شٹ اپ سیال درانی۔ پلیز اسٹاپ اٹ۔" وہ یکدم چیخی تھی، پھر آنکھوں میں اُمڈ آنے والی نمی کو اس سے مخفی رکھنے کی خواہش میں تیزی سے بڑھ کر اپنی گاڑی تک آئی اور دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہی گاڑی بھگا دی۔ سیال اڑتی دھول کو تکتا ہونٹ بھینچے ساکن کھڑا تھا۔

☆.....☆.....☆

یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جو اس نے کہا ہے وہ سچ ثابت ہو جائے گا۔ اس کے شدید زخمی ہونے کی اطلاع آفاق شیرازی کو فون کے ذریعے ملی تھی اور پتا نہیں فون پر کیا کہا گیا تھا ان سے کہ ان جیسا مضبوط اعصاب کا مالک شخص بھی ڈھ کر رہ گیا تھا۔

"کیا ہوا پپا؟" انزلہ ان کی خراب ہوتی حالت کو دیکھ کر دوڑی چلی آئی تھی۔

"سیال کو بلٹس لگ گئی ہیں۔ آئی سی یو میں ہے وہ، ہمیں فوراً اسپتال پہنچنا ہوگا۔" وہ جیسے رو دینے کو تھے۔ انزلہ کو لگا وہ کھڑی نہیں رہ سکے گی، پھر اسے خبر نہیں ہو سکی۔ وہ لوگ اسپتال کیسے پہنچے۔ انزلہ کے تو جیسے بار بار ہوش اڑے جاتے تھے۔ اس کا گلا آنسوؤں سے بھیگنے لگا، مگر اسپتال میں آپریشن تھیٹر کے باہر انتظار کے جاں گسل لمحات میں وہ ضبط کھو کر پپا کے کاندھے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

"انہیں کچھ نہیں ہونا چاہیے پپا! اگر انہیں کچھ ہوا تو میں بھی مر جاؤں گی۔" اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا بیٹے، حوصلہ رکھو۔" پپا نے نرمی و سبھاؤ سے کہا تھا۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ ان کا اپنا دل ڈوبا جاتا تھا۔ دونوں خاموش تھے، مگر دلوں کے اندر وحشت سرسراتی تھی۔ انجانے خدشے اور واہمے دھڑکنیں منتشر اور مرتعش کرتے جاتے تھے۔ تبھی کوریڈور کے سرے سے احسان درانی اور امجد نمودار ہوئے۔ انزلہ کی نظر پہلے ان پر پڑی تھی وہ خائف ہو کر آفاق شیرازی کو تکنے لگی، مگر ان کا انداز اس کی بے نسبت

نارمل تھا۔

"میرا بیٹا ٹھیک تو ہے نا؟" احسان درانی کے مخاطب آفاق شیرازی ہی ہیں۔ انزلہ کو یقین نہیں آ سکا مگر فی الحال ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا، تو مطلب واضح تھا۔ وہ اتنے بے اوسان اور خود سے بیگانہ ہو رہے تھے کہ دوست دشمن کا امتیاز بھلائے بے قرار لہجے میں مستغرق تھے۔

"ابھی کچھ نہیں کہہ سکتے، لیکن حوصلہ رکھیے اللہ بہتر کرے گا۔" آفاق شیرازی نے نرمی سے حوصلہ دیا اور اللہ نے ہی بلاشبہ رحم کیا تھا کہ وہ موت و زیست کی کشمکش سے نکل آیا تھا، موت کو مکمل شکست دے کر، مگر یہ جو درمیانی آزمائشی وقت تھا، اسی نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ صدیوں پر مشتمل دشمنی، نفرت اور عناد کا یہیں پر خاتمہ ہوا تھا۔ احسان درانی نے آفاق شیرازی سے خود معافی طلب کی تھی اور جب انزلہ سیال درانی سے ملنے اس کے کمرے میں آئی اسے تکتی سیال کی آنکھوں میں زندگی لوٹ کر آنے لگی تھی۔

"میں خود کو اس قابل بھی نہیں پاتا تھا کہ معافی طلب کروں۔ انزلہ میں نے چاہا تھا کہ اس طرح تمہیں مجھ سے نجات مل جائے گی مگر....."

"مطلب آپ نے جان بوجھ کر.....؟" وہ کیسے لرز اٹھی تھی۔ سیال مضمحل سا مسکرایا۔

"جان بوجھ کر کیوں، یہ تو خودکشی ہوتی۔ ہاں فرض کی ادائیگی کی خاطر ایسا جذبہ اب بھی رکھتا ہوں۔"

"فرض کی ادائیگی ضروری نہیں جان لٹا کر پوری کی جائے۔ مجھے آپ کی ابھی تو سب سے زیادہ ضرورت ہے سیال۔" وہ اس کے ہاتھ کو اپنی نم آنکھوں سے لگائے اس پل پوری طرح اس پر عیاں تھی۔ سیال کا دل تشکر سے بھرنے لگا۔

"تم بہت الگ ہو انزلہ۔ مجھے عمر بھر یہ پچھتاوا رہے گا کہ میں تم پر زیادتی کا مرتکب ہوا۔"

"وہ کٹھن وقت گزر گیا ہے سیال۔ ایسے میں اللہ میرا مددگار تھا۔ میں نے کبھی خود کو اکیلا محسوس نہیں کیا۔"

"ہاں اللہ سے لو، نہ لگاتیں تو یہ وقت اتنی آسانی سے نہیں کٹ سکتا تھا۔ میں نے تمہیں دیکھ کر اپنی اصلاح کی۔ میں اللہ کا مشکور ہوں کہ اُس نے بہترین آسانی تحفے سے نوازا مجھے۔ بس اب یہ ہی خواہش ہے کہ تم پر مکمل دسترس حاصل ہو جائے، تاکہ تمہیں بتا سکوں کہ میں نے کب، کس انداز میں تمہاری کمی محسوس کی۔" سنجیدگی و متانت سے بات کرتا وہ شوخ ہونے لگا۔

سیال نے اس کے لائے گلابوں کے گلدستے سے اک مہکتا ہوا گلاب شاخ سمیت کھینچا اور اس کے بالوں میں اٹکا دیا۔ انزلہ کی صرف خوبصورتی نہیں بڑھی۔ اس کا چہرہ بھی حجاب آلود مسکان سے نکھر گیا تھا۔

"آؤ انزلہ دُعا کریں۔ خدا ہمیں بہترین زندگی کی توفیق بخشے۔ ایسی زندگی جس میں اللہ کی خوشنودی ہو۔ ایسی زندگی جس میں نبی پاک ﷺ کی پیروی ہو۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی ہتھیلی کے ساتھ دعا کے انداز میں پھیلائے کہہ رہا تھا۔

"آمین..... ثم آمین۔" کی بیک زبان صدا سن کر دونوں چونکے۔ دروازے پر انزلہ اور سیال درانی کے والدین چہروں پر دلکش آسودہ مسکان لیے موجود تھے، پھر بھی ان کے اطراف میں جمع ہو گئے۔ انہوں نے جان لیا تھا۔

دلوں کی ذرا سی گنجائش انسانی زندگیوں کی ضمانت اور ملک و قوم کی بقا کی علامت ہے۔ انزلہ اس کا عملی مظاہرہ دیکھ رہی تھی اور سوچتی تھی ہمیں اپنے اپنے طور پر دوسروں کے لیے گنجائش نکالنی چاہیے۔ تب ہی ایسے مثبت نتائج ظاہر ہو سکتے ہیں۔

☆☆.....☆☆